ALAHAZRAT NETWORK
www.alahazratnetwork.org
تجلیۃ السلم فی
مسائل من نصف العلم
۱۳۲۱ھ
صلح کو روشن کرنا نصف العلم کے کچھ مسائل میں
تصنیف لطیف:
اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ

رسالہ

تجلیة السلم فی مسائل من نصف العلم

۱۳۲۱ھ

(صلح کو روشن کرنا نصف العلم کے کچھ مسائل میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی ادخلنا فی السلم، وعاملنا بالمن والعفو والحلم، وعلمنا من العلم ومن نصف العلم، والصلوٰۃ والسلام علی الجواد الکریم الفائض علی عبیدہ من علم الفرائض، وعلٰی اٰلہ وصحبہ واحبابہ وارثی علمہ وادابہ۔ اٰمین!

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اسلام میں داخل فرمایا اور ہمارے ساتھ احسان درگزر اور نرمی کا معاملہ فرمایا۔ اور ہمیں علم اور نصفِ علم (علمِ فرائض) سکھایا۔ اور درود و سلام ہو اس ذات پر جو سخی، کرم فرمانے والا اپنے غلاموں پر علمِ میراث کا فیضان فرمانیوالا ہے اور آپ کی آل واصحاب اور دوستوں پر جو آپ کے علم اور آداب کے وارث ہیں۔ الٰہی! قبول فرما۔ (ت)

اما بعد، یہ بعض مسائل فرائض ہیں جو فقیر کے سامنے پیش ہوئے اور ابنائے زمان نے ان کی فہم میں اغلاط کئے، مقصود ازالہ اوہام و اغلاط و ارائت سواء الصراط ہے وباللہ التوفیق۔

فصل اوّل

مسئلہ ۹۳ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

اعلحضرت مجدد مائۃ الحاضرہ دام ظلکم العالی، وقتِ قدم بوسی خادم نے مسئلہ پوچھا تھا کہ قمر علی نے زوجہ لطیفن بیگم اور حقیقی بہن فاطمہ بیگم اور حقیقی بھتیجا اسد علی اور مکان و زیور و اثاث البیت مجموع تین ہزار روپے کا اور اکیس ہزار کے نوٹ چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ نے مہر معاف کر دیا تھا اور وہ برضائے فاطمہ بیگم و اسد علی اپنے حصۂ ترکہ کے عوض مکان و زیور و اثاث البیت پر قابض رہیں اور باہم وارثان میں اقرار نامہ لکھا گیا کہ فاطمہ بیگم و اسد علی کا ان اشیاء میں اور لطیفن بیگم کا زرِ نقد مذکور میں کوئی حصہ باقی نہ رہا، اب وہ نوٹ فاطمہ بیگم و اسد علی میں کس حساب سے تقسیم ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ چودہ ہزار کے نوٹ فاطمہ بیگم اور سات ہزار کے نوٹ اسد علی کو ملیں۔ چنانچہ خادم نے اسی کے مطابق تقسیم کرا دیئے، دوسرے روز اسد علی آئے اور کہا میرا حق زیادہ چاہیے مجھے اس میں ساڑھے تین ہزار روپے کا نقصان ہے اور فتاوی مولوی عبدالحی صاحب جلد اول مطبع علوی ص ۱۰۰، ۱۱ کی عبارت پیش کی کہ اس کی رُو سے روپیہ مجھ میں اور فاطمہ بیگم میں نصفا نصف تقسیم ہونا چاہیے، اس کا خلاصہ عبارت ملاحظۂ اقدس کے لئے حاضر کرتا ہوں:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ زید انتقال کرد و ورثہ گزاشت یکے ہمشیرہ عینیہ مسمّٰی بہ رابعہ و سہ برادرزادیاں مسمّی فاطمہ و زینب و کلثوم و یک برادرزادہ حقیقی مسمّے بکر و یک زوجہ مسمّاۃ خدیجہ کہ جملہ ورثہ مذکورہ صلبی او را حصہ ہشتم داد و راضی کردہ اند پس بقیہ متروکہ زید کہ چگونہ تقسیم باید ھو المصوب بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانع بقیہ ترکہ زید تقسیم بدو سہم شدہ یک سہم ازاں ہمشیرہ حقیقی و یک سہم برادرزادہ خواہد شد باقی ورثہ محجوب خواہند شد۔ واللہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے یہ ورثاء چھوڑ کر انتقال کیا، ایک حقیقی بہن جس کا نام رابعہ ہے، تین بھتیجیاں جن کے نام فاطمہ، زینب اور ام کلثوم ہیں، ایک حقیقی بھائی جس کا نام بکر ہے اور ایک بیوی جس کا نام خدیجہ ہے۔ تمام مذکورہ بالا نسبی وارثوں نے بیوی کو آٹھواں حصہ دے کر راضی کر دیا ہے۔ زید کا بقیہ ترکہ کیسے تقسیم ہونا چاہیے؟ ھو المصوب۔ جو چیزیں میراث پر مقدم ہیں ان کی تقدیم اور رکاوٹوں کے رفع کے بعد زید کا بقیہ ترکہ دو حصوں پر منقسم ہوگا۔ اس میں سے

اعلم بالصواب ۔ کتبہ ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ عفا عنہ القوی ۔ ایک حقیقی بہن اور ایک بھتیجے کو دیا جائے گا باقی ورثاء محروم ہوں گے ۔ اور اللہ تعالٰے درستگی کو خوب جانتا ہے ۔ اس کو محمد عبد الحیٔ نے لکھا ہے قوت والا رب اس سے درگزر فرمائے (ت)

جواب کی پوری عبارت عرض کی ہے یہ صورت بعینہٖ وہی صورت واقعہ ہے، حضرت نے اگرچہ حکم زبانی فوراً ارشاد فرمایا تھا مگر کتاب کا حوالہ مولوی عبد الحیٔ صاحب نے بھی نہیں دیا ہے لہٰذا امیدوار ہوں کہ اس مسئلہ کی مفصل حقیقت نہایت عام فہم ارشاد ہو ۔ ظلکم ممدود باد بندہ محمد احسان الحق عفی عنہ ۔ ۴ محرم شریف ۱۳۲۱ھ

الجواب

مکرمی اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حق وہی ہے جو فقیر نے عرض کیا تھا، مولوی صاحب سے سخت لغزش واقع ہوئی ہے اس صورت کو فقہا تخارج کہتے ہیں کہ ورثہ باہم بتراضی صلح کرلیں کہ فلاں وارث اپنے حصہ کے عوض فلاں شئے لے کر جُدا ہوجائے، اس کا حاصل یہ نہیں ہوسکتا کہ گویا وہ وارث کہ جدا ہوگیا سرے سے معدوم تھا کہ بقیہ ترکہ کی تقسیم اس طرح ہو جو اس کے عدم کی حالت میں ہوتی اس نے تو ترکہ سے حصہ پایا ہے تو معدوم کیونکر قرار پاسکتا ہے کہیں معدوم وقت موت المورث کو بھی ترکہ پہنچا ہے، بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ میں جتنے سہام کل ورثہ کے لئے تھے ان میں سے اس وارث نے اپنے سہام پالئے اب باقی میں باقی وارثوں کے سہام رہ گئے تو واجب ہے کہ وہ باقی ان بقیہ کے عـہ (اتنے اتنے) سہام ہی پر تقسیم ہو ۔ جس جس قدر انھیں اصل مسئلہ سے پہنچتے تھے یہاں کے مورث نے ایک زوجہ ایک بہن ایک بھتیجا چھوڑا مسئلہ چار سے ہوا ایک زوجہ دو بہن ایک بھتیجے کا، زوجہ ترکہ سے اتنا مال لے کر جُدا ہوگئی تو چار میں سے اس کا ایک ادا ہولیا باقی تین رہے جن میں دو بہن کے ہیں اور ایک بھتیجے کا' تو لازم ہے کہ باقی مال یونہی تقسیم ہو، بہن کو دو' بھتیجے کو ایک' نہ کہ دونوں کو نصفا نصف کہ اس تقدیر پر بہن کا حصہ نصف' باقی بعد فرض الزوجہ ہوجائے گا یعنی زوجہ کا حصہ نکال کر جو بچا اس کا آدھا حالانکہ نص قطعی قرآن عظیم سے بہن کا سہم نصف کل متروکہ تھا۔

عـہ اصل میں ایسا ہی ہے شاید یہاں کچھ چھوٹ گیا ہے اور غالباً عبارت یوں ہے: اس قدر سہام ہی پر یا اتنے سہام ہی ہے، لہٰذا توسین میں بنادیا ہے ۔ ازہری غفرلہٗ

قال اللہ تعالٰی ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلہا نصف ما ترک[1] اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے۔ (ت)

لاجرم یہ سراسر غلط اور حسبِ تصریح علمائے کرام خلافِ اجماع ہے۔ زیادہ ایضاح چاہئے باآنکہ مسئلہ خود آفتاب کی طرح واضح ہے۔ تو یُوں سمجھئے کہ یہاں تین صورتیں ہیں:

اوّل یہ کہ وہ مال ترکہ جو ایک وارث لے کر جدا ہُوا اس کے اصل استحقاق سے کم ہو جیسا یہاں واقع ہوا کہ زوجہ کا حصہ چہارم تھا اور وُہ آٹھویں پر راضی ہوگئی۔

دوم اس کے حق سے زیادہ ہو، مثلاً صورتِ مذکورہ میں مکان و زیور و اثاث البیت ۱۲ ہزار کے ہوتے اور بارہ ہزار کے نوٹ تو زوجہ کو بجائے ربع نصف مال پہنچتا۔

سوم اس کے حق کے برابر ہو، مثلاً مکان وغیرہ چھ ہزار کے ہوتے اور اٹھارہ ہزار کے نوٹ۔

صورتِ ثالثہ میں واجب ہے کہ بقیہ ورثہ کو مال اسی حساب سے پہنچے گا جو عدم تخارج کی حالت میں پہنچتا۔ تخارج کا اثر صرف اس قدر ہوگا جو اعیان کے تقسیم کا ہوتا ہے کہ ہر ایک اپنا کامل حصہ بے کم و بیش پاتا ہے حصے کہ ہر شَے میں مشاع تھے فقط جدا ہو جاتے ہیں۔

صورت اولٰی میں جبکہ باقی جمیع ورثہ کے ساتھ اس وارث نے مصالحہ کیا اور وُہ مال جس میں ہر ایک کا حق تھا تنہا خود لیا اور اپنے حصہ سے کم پر راضی ہوا تو جو کچھ اس کے حصے کا باقی رہا واجب ہے کہ ان سب وارثوں کو پہنچے نہ کہ صرف ایک اس زیادت کا مالک ہو جائے دوسرا محروم کیا جائے کہ یہ محض ظلم و ناانصافی ہوگا اور پہنچنا بھی ضرور ہے کہ حصہ رسد ہو یعنی ہر ایک کو اُس حساب سے بڑھے جو اصل ترکہ میں اس کا حق تھا کہ وہ شَے جو وارث مذکور لے کر جُدا ہو گیا ہے اس میں ہر ایک کا حصہ اسی حساب سے تھا۔

صورتِ ثانیہ میں سب بقیہ ورثا اس وارث کو زیادہ دینے پر راضی ہوئے ہیں تو واجب ہے کہ وہ زیادت ہر ایک کے حق سے حصہ رسد لی جائے نہ یہ کہ سارا بار ایک وارث پر ڈال دیں حالانکہ ان میں سب کے حصّے تھے اور سب راضی ہُوئے تھے۔ یہ باتیں سب ایسی ہی بدیہی ہیں

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۷۶

جنھیں ہر عاقل ادنیٰ نظر سے سمجھ سکتا ہے۔ فقیر نے جو حکم گزارش کیا اس میں ہر صورت پر یہ میزانِ عدل اپنی پوری استقامت پر رہے گی، صورت اولےٰ میں جبکہ زوجہ کا حق چھ ہزار تھے اور وہ تین ہزار پر راضی ہوگئی تو باقی تین ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی کو ان کے حصص کے قدر پہنچنے واجب ہیں فاطمہ بیگم کا حصہ بارہ ۱۲ ہزار اور اسد علی کا چھ ۶ ہزار تھا یعنی فاطمہ بیگم کا اس سے دُونا' اور اسی حساب سے زیور و مکان و اثاث البیت میں ان دونوں نے اپنا حصہ زوجہ کے لئے چھوڑا ہے۔ فاطمہ بیگم کے دُو حصے اسے ملے اور اسد علی کا ایک تو ضرور ہے کہ معاوضہ کے تین ہزار سے بھی فاطمہ بیگم کو دُو ۲ ہزار ملیں اور اسد علی کو ہزار کہ ان کے اصل حصوں سے مل کر فاطمہ بیگم کے چودہ ۱۴ ہزار اور اسد علی کے سات ہزار ہو جائیں۔ صورت ثانیہ میں زوجہ نے چھ ہزار اپنے حق سے زائد پائے۔ بہن بھتیجا دونوں اس زیادت پر راضی ہیں تو ہر ایک کے حصّہ سے حصہ رسد یہ زیادت نکالنی لازم۔ بہن کے بارہ ہزار سے چار ۴ ہزار نکالیں، اور بھتیجے کے چھ ۶ ہزار سے دُو ہزار۔ اب بقیہ بارہ ۱۲ ہزار میں بہن کے آٹھ ہزار، بھتیجے کے چار ہزار رہے۔ اور وہی نسبت ۲ دُو اور ایک کی آگئی۔ صورتِ ثالثہ تو خود ایسی ظاہر ہے کہ حاجت اظہار نہیں، عورت کو چھ ہی ہزار پہنچتے ہیں جو اس کا حق تھے، تو بہن بھتیجے کسی کے حق میں ایک حبہ کم نہ ہونا چاہیے نہ زائد، لیکن وہ طریقہ کہ مولوی صاحب نے اختیار کیا اس پر کسی صورت میں ہرگز عدل کا نام و نشان نہ رہے گا۔ پہلی صورت میں عورت کے تین ۳ ہزار نکل کر اکیس ۲۱ ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی پر نصفاً نصف سے دونوں کو ساڑھے دس دس ہزار پہنچے اور چار ۴ سخت شناعتیں لازم آئیں:

(۱) تین ہزار کہ حق زوجہ سے چھوٹے تھے دونوں کو ملنے چاہیے تھے بہن کو ان سے ایک حبہ نہ پہنچا۔

(۲) اگر نہ پہنچا تھا تو اس کا اپنا اصل حصہ کہ بارہ ۱۲ ہزار تھے وہ تو ملتا ڈیڑھ ہزار اس میں سے بھی کتر گئے، یہ کس قصور کا جرمانہ تھا۔

(۳) بھتیجا تنہا اس زیادت کا مستحق نہ تھا حالانکہ صرف اس نے پائی۔

(۴) بالفرض اسی کو ملتی تو عورت نے صرف تین ہی ہزار تو چھوڑے تھے بھتیجے کے اصل حصے چھ ۶ ہزار میں مل کر نو ہزار ہوتے یہ پندرہ سو اور کس کے گھر سے آئے۔

دوسری صورت میں عورت کو اس کے حق سے چھ ہزار زیادہ پہنچ کر بقیہ بارہ ہزار بالمناصفہ بٹے اور ویسی ہی شناعتیں پیش آئیں۔ بہن بھتیجا دونوں اپنے نقص حصص پر راضی ہوئے تھے مگر

پورا اثر لہ بہن پر گرا۔ کامل چھ ہزار اسی کے سہم سے اڑ گئے اور بھتیجے نے اپنا پورا حصہ چھ ہزار پالیا۔ زیور مکان وغیرہا متاع میں بہن کے بھی دو حصے تھے اور نوٹوں میں عورت کا حق تھا بہن نے متاع میں اپنا حصہ چھوڑا اور نوٹوں میں معاوضہ ایک جبہ بنایا اس کا حصہ مفت کا تھا الیٰ غیر ذٰلک مما یخاف ولا یخاف الا الانصاف (وغیرہ ذالک جس سے ڈر ہے اور ڈر نہیں مگر انصاف کا۔ ت)

تیسری صورت سب سے روشن تر ہے کسی وارث نے اپنے حصے سے کچھ نہ چھوڑا، عورت کو جو چھ ہزار چاہئیں تھے بے کم و بیش اتنے ہی ملے اب وہ کون سا جرم ہے جس کے سبب فاطمہ بیگم کا حق ایک چہارم کا اڑ گیا اور وہ کون سی خدمت ہے جس کے صلہ میں اسد علی نے اپنے حق سے ڈیوڑھا پالیا۔ اگر نوٹ و متاع کی تبدیل نہ کرتے تو فاطمہ بیگم بارہ ہزار پاتی اور اسد علی و لطیفن چھ چھ ہزار، صرف اس تبدیلی نے وہ کایا پلٹ کی کہ لطیفن کے چھ ہزار نکل کر فاطمہ کے بارہ ہزار سے نو ہزار رہ گئے اور اسد علی کے چھ ہزار سے نو ہزار ہو گئے۔ اس واضح روشن بدیہی بیان کے بعد کسی عبارت کی بھی حاجت نہ تھی مگر زیادت اطمینان عوام کے لئے ایسی کتاب کی صریح تصریح حاضر جو علم فرائض کی سب سے پہلی تعلیم کافی و وافی و مکمل اور ہر مدرسے کے مبتدی طلبہ میں بھی مشہور و معروف و متداول ہے یعنی متن امام سراج الدین و شرح علامہ سید شریف قدس سرہما اللطیف فرماتے ہیں:

(من صالح من الورثۃ علی شیئ معلوم من الترکۃ فاطرح سہامہ من التصحیح) ای صحح المسئلۃ مع وجود المصالح بین الورثۃ ثم اطرح سہامہ من التصحیح (ثم اقسم باقی الترکۃ) ای ما بقی منہا بعد ما اخذہ المصالح (علی سہام الباقین) من التصحیح (کزوج و ام وعم) فالمسئلۃ

جس وارث نے ترکہ سے کوئی معین شَے لے کر دیگر ورثاء سے مصالحت کر لی تو اس کا حصہ تصحیح میں سے نکال دو یعنی اس کو وارثوں کے درمیان موجود تصور کر کے مسئلہ کی تصحیح کردو اور پھر تصحیح میں سے اس کے حصے نکال دو۔ پھر صلح کرنے والے نے جب معین شَے لے لی تو تصحیح میں سے جو باقی بچا اس کو دیگر ورثاء کے حصوں پر تقسیم کر دو جیسے کوئی خاتون اپنا شوہر، ماں اور چچا چھوڑ کر فوت ہو گئی تو مسئلہ خاوند کی موجودگی میں چھ سے

مع وجود الزوج من ستة وهي
مستقيمة على الورثة للزوج[1] ثلثة
وللام السهمان[2] وللعم سهم[3]
(فصالح الزوج) من نصيبه الذی
هو النصف (على ما فی ذمته للزوجة من
المهر وخرج من البين فيقسم باقی
التركة) وهو ما عدا المهر
(بين الام والعم اثلاثا بقدر
سهامهما من التصحيح
(وحينئذ يكون سهمان)
من الباقی للام وسهم
واحد للعم كما كان[4] كذلك
فی سهامهما من التصحيح فان قلت
هلّا جعلت الزوج بعد المصالحة و
اخذه المهر وخروجه من البين
بمنزلة المعدوم وای فائدة فی
جعله داخلا فی تصحيح المسئلة مع انه
لا ياخذ شيئا وراء ما اخذه
قلت فائدته انا لو جعلناه كان
لم يكن وجعلنا التركة ما وراء

بنے گا جو کہ ورثاء پر برابر تقسیم ہو جائے گا،
خاوند کو تین، ماں کو دو اور چچا کو ایک حصہ
ملے گا۔ چونکہ شوہر اپنے ذمہ مہر کے بدلے
میں ترکہ میں سے اپنا حصہ جو کہ نصف ہے
چھوڑنے پر صلح کر کے وارثوں کے درمیان سے
خارج ہو گیا لہذا باقی ترکہ جو کہ مہر کے علاوہ
ہے ماں اور چچا کے درمیان تصحیح میں سے
ان کے حصوں کے مطابق تین پر تقسیم ہو گا۔
اور اس صورت میں مہر کو نکال کر باقی ترکہ
میں سے دو حصے ماں کو اور ایک حصہ
چچا کو ملے گا۔ جیسا کہ یہی حال تصحیح سے
حاصل شدہ ان دونوں کے حصوں میں تھا۔
اگر تو کہے کہ صلح کے بعد اور شوہر کے مہر کو
لے لینے اور وارثوں کے درمیان سے نکل
جانے کے بعد تم نے شوہر کو بمنزلہ معدوم کے
کیوں قرار نہیں دیا اس کو مسئلہ کی تصحیح میں
داخل کرنے کا کیا فائدہ ہے باوجودیکہ وہ اس
کے ماسوا کچھ نہیں لیتا جو کچھ وہ لے چکا ہے؟
میں کہوں گا اس کا فائدہ یہ ہے اگر ہم
اس کو کالعدم قرار دیتے اور مہر کے ماسوا کو

---

[1] فی النسخة التی بايدينا وللزوج منها سهام ثلثة۔
[2] السهمان كذا فی نسختنا۔
[3] وللعم الباقی وهو سهم كذا عندنا۔
[4] كما كانت الحال كذلك كذا بنسختنا۔

المہر لا نقلب فرض الام من ثلث
اصل المال الیٰ ثلث ما بقی اذ حینئذ
یقسم الباقی بینہما اثلاثا
فیکون للام سہم وللعم سہمان
وھو خلاف الاجماع اذ
حقہا ثلث الاصل واذا ادخلنا
الزوج فی اصل المسئلۃ
کان للام سہمان من
الستۃ وللعم سہم واحد
فیقسم الباقی بینہما علی
ھٰذا الطریق فتکون
مستوفیۃ حقہا من المیراث له
واللہ تعالیٰ اعلم واعلم ان
ھٰہنا طریقۃ اخریٰ
اخذ بہا بعض المشائخ
رحمہم اللہ تعالیٰ لا تعلق
لہا عندی بما نحن فیہ
وان فرض فانما یکون علیہا
فی الصورۃ المسئول عنہا
لفاطمۃ ثلثۃ عشر الفا ومائۃ
وخمسۃ وعشرون وللاسد علی سبعۃ الاف
وثمان مائۃ وخمسۃ وسبعون لم نخترہا لان العمل و
الفتیا بالراجح لاسیما المذہب وانت تعلم ان ہذہ

ترکہ بناتے تو ماں کا فرضی حصہ اصل مال کی
تہائی سے باقی مال (مہر نکالنے کے بعد) کی
تہائی کی طرف منتقل ہو جاتا، کیونکہ اس صورت
میں باقی مال ان دونوں (ماں اور چچا) کے
درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوتا جس میں سے
ماں کو ایک حصہ اور چچا کو دو حصے ملتے اور وہ
اجماع کے خلاف ہے اس لئے کہ ماں کا حق
اصل ترکہ کا ایک تہائی ہے۔ اور جب ہم نے
شوہر کو اس مسئلہ میں داخل رکھا تو ماں کیلئے
چھ میں سے دو جبکہ چچا کے لئے ایک حصہ ہوا۔
چنانچہ مہر نکالنے کے بعد باقی بچ جانیوالا مال
ان دونوں کے درمیان اسی طریقے پر منقسم ہوگا،
تو اس طرح ماں میراث میں سے اپنا پورا حق وصول
کرے گی اھ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، تو
جان لے کہ یہاں ایک اور طریقہ ہے جس کو بعض
مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا میرے
نزدیک زیر بحث مسئلہ سے اس کا کوئی تعلق
نہیں۔ اگر ہم اس کو فرض کرلیں تو اس تقدیر پر
صورت مسئولہ میں فاطمہ کے لئے تیرہ ہزار ایک سو
پچیس اور اسد علی کے لئے سات ہزار آٹھ سو
پچھتر حصے ہوں گے۔ ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا
کیونکہ عمل اور فتویٰ قول راجح پر ہوتا ہے خصوصاً
جبکہ وہ مذہب ہو۔ اور تو جانتا ہے کہ یہ طریقہ

له الشریفیۃ شرح السراجیۃ فصل فی التخارج مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور صـ ۴۳ و ۴۴

ایضا لاتوافق ما سلکه المجیب اللکنوی فھو خلاف الاجماع قطعا و باللہ العظمۃ واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔

بھی اُس طریقے کے موافق نہیں جس پر مجیب لکھنوی چلے ہیں تو وہ قطعی طور پر خلافِ اجماع ہوا۔ اور اللہ تعالٰی ہی سے عظمت حاصل ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ و تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

فصل دوم

مسئلہ ۹۴ از ریاست رامپور مرسلہ مولوی وحید اللہ صاحب نائب پیشکار کچہری دیوانی
۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

حضرت مطاع ومحترم مدظلہم العالی تحیہ تسلیم بالوف تکریم مشکلات کا حل آنحضرت کی ذات مجمع الکمالات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ناچار گزارش کیا جاتا ہے سراجی وغیرہا تمام کتابہائے فرائض وفقہ (جہاں تک حقیر نے دیکھیں) میں اخوات عینیہ وعلاتیہ کو بنات اور فقط بنات الابن کے ساتھ میں عصبہ مع الغیر لکھا ہے وان سفل سے سفلیات کو داخل نہیں کیا گیا ہے جیسا اور مواقع مثلاً تفصیلِ اَبْ میں ہے وابنۃ الابن کے بعد وان سفلت کو بھی شامل کرلیا اس سے خیال ہوتا ہے سفلیات کی معیت عصوبت اخوات کی علت نہیں ہے چنانچہ شارح بسیط رحمہ اللہ کا یہ قول ہے:

اقتصر علی بنات الابن ولم یقل وان سفلن وکذا فی غیرہ من کتب الفرائض فدل ذٰلک علی ان السفالۃ غیر معتبرۃ فی صیرورتہن عصبۃ[1] انتھی۔

مصنف نے پوتیوں پر اکتفاء فرمایا اور یوں نہیں کہا اگرچہ نیچے تک ہوں۔ اور ایسا ہی علم فرائض کی دیگر کتابوں میں ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ (پڑپوتیاں وغیرہ یعنی) جو بھی پوتیوں کے نیچے ہوں وہ بہنوں کو عصبہ بنانے میں معتبر نہیں ہیں انتہی۔ (ت)

اس خیال کی تائید کرتا ہے اطمینان کی غرض سے حضرت سے رجوع کیا جاتا ہے کہ اس کو صحیح خیال کرکے سوالات میں اس پر عملدرآمد کیا جائے یا کیا؛ امید ہے کہ آنحضرت کے عالمتاب

---

[1]

آفتابِ فیض سے یہ حقیر ذرہ بھی بہرہ یاب ہوگا۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

مولانا المکرم اکرم اللہ تعالٰی بعد اہدائے ہدیہ تحفہ سیلنہ سنیہ ملتمس عصوبت اخوات کیلئے معیت بنت ابن الابن و بنت ابن ابن الابن و ان سفلن قطعًا کافی ہے۔ اور شرح تبسیط کا بیان صریح لغزش بنت الابن حقیقۃً لغۃً یا عرفًا شائعًا بنت ضرور ابن الابن وغیرہا جملہ سفلیات کو متناول ہے تصریح وان سفلت محض ایضاح و تاکید عموم ہے، نہ ادخال مالم یدخل، تو عدمِ ذکر ہرگز ذکرِ عدم نہیں ہوسکتا و لہذا صدہا جگہ علمائے وہاں کہ عموم یقینًا ہے لفظ سفول ذکر نہ فرمایا۔ کنز الدقائق میں ہے:

للاب السدس مع الولد او ولد الابن[1] — اولاد یا بیٹے کی اولاد کی موجودگی میں باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوتا ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ولد الابن کولدہ عند عدمہ[2] — میت کے بیٹے کی اولاد بیٹے کی عدم موجودگی میں خود میت کی اپنی اولاد کی طرح ہے۔ (ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

ومن النساء سبع الام والجدۃ و البنت وبنت الابن والاخت[3] الخ۔ — اور عورتوں میں سے سات ہیں ماں، جدہ، بیٹی، پوتی اور بہن الخ (ت)

اُسی میں ہے:

النصف للبنت ولبنت الابن عند عدمھا[4] — ترکہ کا نصف بیٹی کے لئے ہے اور بیٹی کی عدم موجودگی میں پوتی کے لئے (ت)

---

[1] کنز الدقائق — کتاب الفرائض — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ص ۴۳۳

[2] 〃 — 〃 — 〃 — 〃 ۴۳۴

[3] ملتقی الابحر — 〃 — مؤسسۃ الرسالہ بیروت — ۲/۳۴۵

[4] 〃 — 〃 — 〃 — 〃 〃 〃

اُسی میں ہے :

السدس للام عند وجود الولد او ولد الابن وللاب مع الولد او ولد الابن ولبنت الابن وان تعددت مع الواحدۃ من بنات الصلب [1] (ملتقطاً)

اولاد یا بیٹے کی اولاد کی موجودگی میں ماں کے لئے چھٹا حصّہ ہوگا، اور باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوگا جبکہ میّت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو، اور حقیقی بیٹی کی موجودگی میں پوتی کیلئے چھٹا حصہ ہوگا اگرچہ پوتیاں متعدد ہوجائیں (ت)

تنویر الابصار میں ہے :

للاب والجد السدس مع ولد او ولد ابن [2]

میت کے باپ اور اس کے دادا کو چھٹا حصہ ملے گا جبکہ میّت کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے :

والتعصیب مع البنت او بنت [عہ] الابن [3]

میت کی بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں بہن کو عصبہ بنانا۔ (ت)

اسی میں ہے :

فمن فرضہ النصف وھو خمسۃ البنت وبنت الابن والاخت لابوین والاخت لاب والزوج [4]

جن کا فرضی حصّہ ترکہ کا نصف ہوتا ہے اور وہ پانچ ہیں بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاقی بہن اور خاوند۔ (ت)

سراجیہ میں ہے :

بنات الابن کبنات الصلب و

پوتیاں حقیقی بیٹوں کی طرح ہیں اور ان کے

عہ ھذا الضم ملتقطا ملخصا ۱۲ ازہری غفرلہ

[1] ملتقی الابحر کتاب الفرائض موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/۳۴۵ و ۳۴۶
[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۵
[3] " " " ۲/۳۵۵
[4] " " " ۲/۳۵۶

لهن احوال ستٌّ[1]۔ | چھ حال ہیں۔ (ت)

شریفیہ میں ہے:

اربع من النسوة فرضهن النصف والثلثان الاولٰی البنت والثانیة بنت الابن فان حالها کحال البنت عند عدمها[2] (ملخصًا) | عورتوں میں سے چار جن کا فرضی حصہ نصف اور دو تہائی ہوتا ہے۔ اُن میں سے پہلی بیٹی اور دوسری پوتی ہے، کیونکہ بیٹی کی عدم موجودگی میں پوتی کا حال بیٹی کے حال جیسا ہوتا ہے (ت)

بلکہ کئی جگہ صرف ذکر بنت پر اقتصار فرمایا حالانکہ بنات الابن وان سفلن قطعًا سب اسی حکم میں داخل۔ تنویر میں ہے،

یصیر عصبة بغیرہ البنات بالابن و بنات الابن بابن الابن والاخوات باخیهن و مع غیرہ الاخوات مع البنات[3] | بیٹیاں بیٹے کے ساتھ، پوتیاں پوتے کے ساتھ اور بہنیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بغیرہ ہوجاتی ہیں جبکہ بہنیں بیٹیوں کی موجودگی میں عصبہ مع غیرہ ہوجاتی ہیں۔ (ت)

اسی مسئلہ کا کلیہ ارشاد ہوا ہے:

اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة[4] | بیٹیوں کی موجودگی میں بہنوں کو عصبہ بناؤ۔ (ت)

اور پھر یہی نہیں کہ ان حضرات کو ترک ذکر سفول کا التزام ہو جس سے اُن کی عادت پر حمل کرکے سفول مفہوم ہو، نہیں بلکہ انھیں کتب میں جابجا سفول مذکور۔ کنز میں ہے:

للام الثلث ومع الولد او ولد الابن وان سفل السدس | ماں کے لئے ایک تہائی ہوتا ہے اور اولاد یا بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو کی موجودگی میں

---

[1] السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۲
[2] الشریفیہ شرح السراجیہ باب العصبات مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۰
[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۷
[4] الشریفیہ شرح السراجیہ فصل فی النساء مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۷

15

وللزوج النصف ومع الولد او ولد الابن وان سفل الربع وللزوجة الربع ومع الولد او ولد الابن وان سفل الثمن[1]

ماں کے لئے چھٹا ہوتا ہے خاوند کے لئے ترکہ کا نصف ہوتا ہے، اور میت کی اولاد یا بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو کی موجودگی میں چوتھا حصہ ہوتا ہے۔ اور بیوی کیلئے ترکہ کا چوتھا حصہ ہوتا ہے جبکہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو کی موجودگی میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ (ت)

ملتقی میں ہے:

اقربھم جزء المیت وھو الابن وابنہ وان سفل[2]

اُن میں سے قریب ترین میت کی جُزء ہے، اور وہ میت کا بیٹا یا اس کا پوتا ہے اگرچہ نیچے تک ہو۔ (ت)

اسی میں ہے:

وتحجب الاخوۃ بالابن وابنہ وان سفل[3]

میت کے بھائی محروم ہوتے ہیں جبکہ اس کا بیٹا یا پوتا موجود ہو اگرچہ نیچے تک ہوں۔ (ت)

تنویر میں ہے:

یقدم الاقرب فالاقرب منھم کالابن ثم ابنہ وان سفل[4]

اُن میں سے جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے اس کو مقدم کیا جائے گا پھر اس کے بعد والا جیسا کہ میت کا بیٹا پھر بیٹے کا بیٹا اگرچہ نیچے تک چلے جائیں۔ (ت)

توظاہر ہوا کہ علماء کے نزدیک سفول کا ذکر و عدم ذکر یکساں ہے تو اگر کہیں سفلیات کا حکم عالیہ کے خلاف ہوتا فقط عدم ذکر سفول پر قناعت نہ فرماتے بلکہ واجب تھا کہ نفی سفلیات بالتصریح

---

[1] کنز الدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۴۳ و ۴۴۴

[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی العصبات مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/۳۴۶

[3] " " فصل فی الحجب " " ۲/۳۴۸

[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۶

بتاتے تاکہ عرف عام شائع سے خلاف مراد پر محمول نہ ہو تو شرح لبیط کا تمسک صراحۃ بالمخالف ہے اور خود شرع مطہر میں اس کی کہاں نظیر ہے کہ یہاں سفلیات قوی کا حکم عالیات کے خلاف رکھا ہو بلکہ ہمیشہ جس طرح بنات نہ ہوں تو بنات الابن ان کی جگہ ہیں اور بنات ابن الابن کی جگہ۔ یُوں ہی بنات الابن نہ ہوں تو بنات الابن کی جگہ ہیں اور بنات ابن ابن الابن بنات ابن الابن کی جگہ۔ وھلمّ جرا ایسا واضح مسئلہ اسی قابل تھا کہ علماء اسے اعتماد فہم سامع پر چھوڑ جاتے مگر جزاھم اللہ احسن جزاء انھوں نے اسے بھی مہمل نہ چھوڑا اور عامہ کتب معتمدہ متداولہ متون وشرح فتاوٰی مثل سراجیہ[1] وشریفیہ[2] وتبیین[3] الحقائق وتکملۃ[4] البحر للطوری ودر[5] مختار وملتقی الابحر ومجمع[6] الانہر وخزانۃ[7] المفتین وفتاوٰی[8] عالمگیریہ وقلائد[9] المنظوم وغیرھا میں صاف صاف بلا خلاف حکم مذکور عصوبت اخوات مع بنات الابن کا سفلیات کو شمول بھی بتادیا، اب ناظر متعجب ہوگا کہ یہ کیونکر۔ ہاں یہ فقیر سے سنئے۔ زید نے دوبنت ابن الابن اور دو اخت چھوڑ کر انتقال کیا بنتین ابن الابن کے لئے تو یہاں یقیناً ثلثین ہے جس میں کسی ادنٰی طالب علم کو بھی محل ریب نہیں، اور اخوت کے پانچ حال ہیں، ایک کو نصف، زائد کو ثلثان، بھائی کے ساتھ للذکر مثل حظ الانثیین[1] (مذکر کے لئے دو مونثوں کے حصہ کی مثل ہوتا ہے۔ ت)، بنات کے ساتھ عصوبت ابن واب وان سفل وعلا کے ساتھ سقوط پہلی اور تیسری اور پانچویں حالت تو صورت مذکورہ میں بداہۃً نہیں اب اگر چوتھی نہ مانو تو دوسری متعین ہوگی اور اختین بھی ثلثین کی مستحق ہوں گی۔ یہ اولاً خود باطل ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی مسئلے میں دوبار ثلثین جمع نہیں ہوسکتے۔ مجمع الانہر میں ہے:

لا یتصور فی مسئلۃ فقط اجتماع ثلثین وثلثین اوثلث وثلثین[2]

کسی مسئلہ میں یہ بالکل متصور نہیں کہ اس میں دو تہائی اور دو تہائی (دو بار) یا ایک تہائی اور ایک تہائی اور دو تہائی جمع ہو جائیں(ت)

ثانیاً اس تقدیر پر اصل مسئلہ تین سے ہو کر بوجہ اجتماع دو ثلثین چار کی طرف عول کرنا واجب ہوگا حالانکہ کتب مذہب میں قاطبۃً تصریح ہے کہ تین ان اصول میں ہے جن میں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۶۱

کبھی عول نہیں ہوتا۔ سراجیہ میں ہے :

اعلم ان مجموع المخارج سبعة اربعة منها لاتعول وھی الاثنان والثلثة والاربعة والثمانیة۔[1]

تُو جان لے کہ کُل مخارج سات ہیں، ان میں سے چار ہیں جن میں عول نہیں ہوتا اور وہ یہ ہیں دو، تین، چار اور آٹھ۔ (ت)

شریفیہ ومنح الغفار ورد المحتار وغیرہ میں ہے :

لاتعول اصلا لان الفروض المتعلقة بھذہ المخارج الاربعة اما ان یفی المال بھا اویبقی منه شیئ زائد علیھا۔[2]

ان میں عول بالکل نہیں ہوتا کیونکہ ان چار مخرجوں سے جو فرضی حصے تعلق رکھتے ہیں یا تو ترکہ کا مال ان پر پُورا ہو جاتا ہے یا اُن حصوں سے کچھ مال زائد بچ جاتا ہے۔ (ت)

یہ بھی تصریح ہے کہ دو ثلثین جمع نہیں ہوسکتے، نیز شریفیہ وغیرہا میں ہے :

فلاعول فی الثلثة لان الخارج منھا اماثلث ومابقی کام واخ لاب وام واما ثلثان ومابقی کبنتین واخ لاب وام واما ثلث وثلثان کاختین لام واختین لاب وام۔[3]

تین میں عول نہیں ہوتا کیونکہ اس سے جو حصے نکلتے ہیں وہ یا تو ایک تہائی اور باقی بچ رہنے والا ہے، جیسے میت کی ماں اور حقیقی بھائی کی صورت میں ہوتا ہے یا دو تہائی اور باقی بچ جانے والا ہے، جیسے میت کی دو بیٹیوں اور حقیقی بھائی کی صورت میں ہوتا ہے یا ایک تہائی اور دو تہائی ہیں جیساکہ میت کی دو اخیافی بہنوں اور دو حقیقی بہنوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ (ت)

اس حصر میں اور بھی واضح کر دیا کہ اختین کو بنتین ابن الابن کے ثلثین کے ساتھ ثلثین دینا محض باطل ہے۔ شرح الکنز للامام الزیلعی میں ہے :

جملة المخارج سبعة وانما تعول

کل مخارج سات ہیں ان میں سے عول فقط

---

[1] السراجی فی المیراث باب العول مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۳۱

[2] الشریفیۃ شرح السراجیۃ 〃 مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵۶

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

منها الستة واثنا عشرة واربعة وعشرون والاربعة الاخرى لاتعول[1]

چھ، بارہ اور چوبیس میں ہوتا ہے اور دیگر چار میں عول نہیں ہوتا۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح تکملہ طوری میں ہے۔ درمختار میں ہے:

المخارج سبعة اربعة لاتعول الاثنان والثلثة والاربعة والثمانية[2]

مخارج سات ہیں جن میں سے چار میں عول نہیں ہوتا یعنی دو، تین، چار اور آٹھ۔ (ت)

متن علامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

اربعة مخارج لا تعول الاثنان والثلثة الخ[3]

مخارج میں سے چار میں عول نہیں ہوتا یعنی دو اور تین الخ (ت)

خزانۃ المفتین میں پھر ہندیہ میں ہے:

اعلم ان اصول المسائل سبعة اثنان وثلثة واربعة وستة وثمانية واثنا عشر واربعة وعشرون فاربعة منها لاتعول الاثنان والثلثة والاربعة والثمانية الخ[4]

تُو جان لے کہ مسئلوں کے اصول سات ہیں جو کہ یہ ہیں دو، تین، چار، چھ، آٹھ، بارہ اور چوبیس۔ ان میں سے چار یعنی دو، تین، چار اور آٹھ میں عول نہیں ہوتا الخ (ت)

منظومہ علامہ ابن عبدالرزاق میں ہے:

وسبعة مخارج الاصول اربعة ليست بذات عول، اثنان والثلثة التالية واربع ضعفها الثمانية[5]

اصول کے مخارج سات ہیں جن میں سے چار عول والے نہیں ہیں یعنی دو اور اس کے ساتھ تین اور چار اور اس کا دوگنا آٹھ۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶/۲۴۴

[2] الدرالمختار " " باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۱

[3] ملتقی الابحر " " " موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/۳۴۹

[4] فتاوٰی خزانۃ المفتین " باب العول قلمی نسخہ غیر مطبوعہ ۲/۲۵۳

[5]

تو واجب ہوا کہ صورت مذکورہ میں حالت چہارم ہی مانی جائے اور سفلیات کے ساتھ بھی بہن کو عصوبت دی جائے، شرح بسیط میں ایسی تصریحات جلیلہ سے ذہول اور اس نامفید بلکہ مخالف بات سے تمسک موجب تعجب ہے۔

ولکن لکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولکل عالم ھفوۃ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

لیکن ہر تیز رفتار گھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے اور ہر تلوار کبھی اُچٹ جاتی ہے اور ہر عالم سے کبھی لغزش ہوجاتی ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے درگزر اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں (ت)

فقیر نے بر طریق استدلال اس غرض سے لیا کہ کلمات علمائے کرام سے اخذ مسائل کا انداز معلوم ہو ورنہ بحمد اللہ تعالٰی خاص اس جزئیہ شمول کی تصریحات فقیر کے پاس موجود ہیں۔

الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم میں ہے:

(والاخت) ولو متعددۃ (مع بنت الصلب واحدۃ ایضا فاکثر (و) کذا مع (بنت الابن) وان سفلت کذلک وکذا مع بنت وبنت ابن (ذات اعتصاب مع غیر)[1]

اور بہن اگرچہ متعدد ہوں صلبی بیٹی کے ساتھ چاہے ایک ہو یا ایک سے زائد۔ یونہی پوتی کے ساتھ اگرچہ نیچے تک چلی جائیں۔ چاہے ایک ہو یا اس سے زائد عصبہ مع غیرہ بن جاتی ہے۔ (ت)

مختصر الفرائض میں اخوات لاب کے احوال میں ہے:

یصرن عصبۃ مع البنات او بنات[عہ] الابن وان سفلن ان لم توجد الاخوات لاب وام[2]

علاتی بہنیں بیٹیوں یا پوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ بن جاتی ہیں بشرطیکہ بہنیں موجود نہ ہوں۔ (ت)

زبدۃ الفرائض میں ہے:

عصبہ مع غیرہا دو زنان اندیکے

عصبہ مع غیرہ دو عورتیں ہوتی ہیں ایک

عہ لعل الصواب او بنات الابن صح ۱۲ ازہری غفرلہ بل ہو المتعین کما یظہر فیما معنی دما یاتی

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم رسالہ من رسائل ابن عابدین باب العصبات سہیل اکیڈمی لاہور ۲/۲۱۵

[2] مختصر الفرائض

اخت اعیانی میت کہ با بنت یا بنت ابن او ہر چند پایان رود عصبہ میگردد۔ دوم اخت علاتی میت کہ باہمیں بنتین مسطورتین عصبہ می شود[1]

میت کی عینی بہن جبکہ میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ ہو اگرچہ پوتیاں نیچے تک ہوں۔ دوسری میت کی علاتی بہن ہیں جو میت کی بیٹی اور پوتی کے ساتھ ہو اگرچہ وہ پوتیاں نیچے تک چلی جائیں۔ (ت)

اسی میں اخت عینیہ کے احوال میں ہے:

چہارم عصبہ مع البنات الصلبیات و مع بنات الابن ہرچند پایاں روند[2]

عینی بہنوں کا چوتھا حال یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹیوں اور پوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں (ت)

اسی میں اخت علاتیہ کے حالات میں ہے:

پنجم عصبہ مع البنات الصلبیات و مع بنات الابن ہرچند پایاں روند وقتے کہ عینی نباشد[3]

علاتی بہنوں کا پانچواں حال یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹیوں اور پوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں بشرطیکہ عینی بہن موجود نہ ہو (ت)

علامہ ابن نور اللہ القروی نے حل المشکلات میں خوب طریقہ اختیار فرمایا کہ کہیں وان سفلت وان نزلن (اگرچہ نیچے تک چلی جائیں۔ ت) نہ کہیں اور ہر جگہ بے کہے مذکور ہو یعنی ابتداء میں اپنی کتاب سے مسئلہ نکالنے کا طریق ارشاد فرمایا کہ جس مسئلہ میں فلاں وارث ہو اسے فلاں باب میں دیکھو مسائل بنات الابن کے لئے فرمایا:

ان کان فیھا بنت ابن المیت وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض، فھی فی الباب الثانی عشر[4]

اگر کسی مسئلہ میں میت کی پوتی اگرچہ نیچے تک ہو دیگر ذوی الفروض کے ساتھ جمع ہو تو وہ مسئلہ بارھویں باب میں مذکور ہوگا۔ (ت)

پھر ختم مقدمہ کے بعد فہرس ابواب دی اس میں بھی فرمایا:

الباب الثانی عشر منھا فی بنت الابن

بارھواں باب میت کی پوتی کے بارے میں ہے

---

[1] و [2] و [3] زبدۃ الفرائض
[4] حل المشکلات

وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض[1]

اگرچہ نیچے تک چلی جائے جبکہ وہ دیگر ذوی الفروض کے ساتھ جمع ہو۔ (ت)

اسی طرح اور ابواب کی نسبت بھی فرمادیا اب ان بابوں میں جہاں مثلاً بنت الابن ہو خواہی نخواہی بحکم تعلیمات سابقہ بنت الابن وان سفلت مراد ہے۔ اسی باب دوازدہم میں ہے:

من مات وترك بنت ابن واختا لابوین فالمسئلة من اثنین لان فیھا نصفا ومابقی فالنصف لبنت الابن والباقی للاخت بالعصوبة[2] غرض حکم مسئلہ واضح ہے وللہ الحمد واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

کوئی شخص ایک پوتی اور ایک عینی بہن چھوڑ کر فوت ہوگیا تو مسئلہ دو سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں نصف اور بقیہ ہے۔ چنانچہ نصف پوتی کو اور بقیہ بہن کو بطورِ عصبہ ملے گا۔ اور اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

فصل سوم

مسئلہ ۹۵ از احمد آباد گجرات محلہ چکلہ کالوپور متصل پل گلیان مدرسہ طبیہ مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۵ رمضان المبارکہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک چچازاد بھائی کے سوا کوئی وارث شرعی نہیں اور دو بھتیجے چچازاد بھائی کے بیٹے ہیں زید نے اپنے مرض الموت میں بھائی کو ایک سو چالیس روپیہ دے کر اپنے متروکہ سے اس کا حقِ میراث معاف کرالیا بھائی نے معاف کردیا زید نے اس صلح کے بعد چھ سو باسٹھ ۶۶۲ روپے کے پانچ مکان خرید کر بنام مدرسہ عربیہ دینیہ وقف کئے اور جو مال باقی رہا اس میں یہ وصیت کی کہ اس سے اولاً حج کرایا جائے اور حج سے جو بچے اس کا مکان خرید کر وقف کردیا جائے بعدہ، زید نے انتقال کیا، اس صورت میں یہ وقف و وصیت نافذ ہوئے یا نہیں؟ اور صلح جو وارث سے مورث اپنی حیات میں کرلے شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اگر صلح مذکور معتبر ٹھہرے تو میراث میں بدیں جہت کہ بھائی کا حق بوجہ صلح ساقط ہوگیا اب بھتیجوں کا حق ثابت ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] و [2] حل المشکلات

الجواب

وارث سے اس کے حصہ میراث کے بابت جو صلح حیاتِ مورث میں کی جائے تحقیق یہ ہے کہ باطل و بے اثر ہے اس سے وارث کا حقِ ارث اصلاً زائل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر بعد موت مورث اس صلح پر رضامندی رہے تو اب صحیح ہوجائے گی۔

اقول وباللہ التوفیق تفصیل المقام ان الروایات فی ھٰذہ المسئلۃ توجد علی ثلثۃ انحاء، الاول البطلان وھو واضح البرھان غنی عن البیان فان الارث لاثبوت لہ فی حیاتہ فکان اعتیاضا عن معدوم وھو باطل وبھذا ھو نص محرر المذھب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فی جامع الفصولین ذکر "م" رحمہ اللہ تعالٰی فی سك (ای محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی السیر الکبیر الذی ھو من کتب الاصول الستۃ) ان المریض لو اعطی من اعیان مالہ بعض ورثتہ لیکون لہ بحقہ من المیراث بطل[1] اھ الثانی الجواز ولا یظھر لہ وجہ قال فیہ عقیبہ برمز جف لجامع الفتاوٰی جعل لاحد ابنیہ دارا بنصیبہ

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت) اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین قسم کی روایات پائی جاتی ہیں، پہلی قسم یہ کہ یہ صلح باطل ہے۔ اس کی دلیل واضح ہے جو بیان سے بے نیاز ہے کیونکہ میراث کا ثبوت مورث کی زندگی میں نہیں ہوتا تو یہ معدوم کا بدل طلب کرنا ہوا اور وہ باطل ہے۔ اور اسی پر محرر مذہب حضرت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نص فرمائی جامع الفصولین میں ہے کہ "م" رحمہ اللہ تعالٰی نے سک میں ذکر فرمایا (یعنی امام محمد علیہ الرحمۃ نے سیرِ کبیر میں ذکر فرمایا جو کہ چھ کتب اصول میں سے ہے) کہ کسی مریض نے اگر اپنے عین مال میں سے کسی وارث کو اس لئے کچھ دیا کہ وہ میراث میں سے اس کا حق بن جائے تو یہ باطل ہے الخ۔ دوسری قسم صلح کے جواز کی ہے، اور اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔ جامع الفصولین میں مذکورہ عبارت کے بعد جامع الفتاوٰی کی رمز یعنی جف کے ساتھ کہا کسی شخص نے اپنے دو بیٹوں

---

[1] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون کتاب الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۰

علی ان لایکون لہ بعد موت الاب میراث قیل جاز و بہ افتی بعضھم و قیل لا اھ[1]، وقال فی فرائض الاشباہ والنظائر قال الشیخ عبدالقادر فی الطبقات فی باب الھمز فی احمد قال الجرجانی فی الخزانۃ قال ابوالعباس الناطفی رأیت بخط بعض مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی فی رجل جعل لاحد ابنیہ دارا بنصیبہ علی ان لایکون بعد موت الاب میراث جاز وافتی بہ الفقیہ ابوجعفر محمد بن الیمانی احد اصحاب محمد بن الشجاع البلخی وحکی ذلک اصحاب احمد بن ابی الحارث وابوعمرو الطبری[2] انتھی اھ۔ قال فی غمز العیون یتامل فی وجہ صحۃ ذلک فانہ خفی اھ[3] والثالث الجواز اذا رضی بہ الوارث بعد ما ورث

میں سے ایک کو اسکے حصے کا گھر اس شرط پر دیا کہ باپ کی موت کے بعد اس کے لئے میراث نہیں ہوگی۔ ایک قول میں کہا گیا ہے کہ یہ جائز ہے۔ اور اسی پر بعض مشائخ نے فتوٰی دیا۔ اور ایک قول میں ہے کہ جائز نہیں ہے الخ۔ الاشباہ والنظائر کی کتاب الفرائض میں کہا کہ شیخ عبدالقادر نے طبقات کے باب الھمز فی احمد میں فرمایا، جرجانی نے خزانہ میں کہا کہ ابوالعباس ناطفی نے فرمایا میں نے اپنے بعض مشائخ رحمھم اللہ تعالٰی کی وہ تحریر دیکھی جو اس شخص کے بارے میں ہے جس نے دو بیٹوں میں سے ایک کو اس کے حصے کا مکان اس شرط پر دیا کہ باپ کی موت کے بعد اس کے لئے میراث نہیں ہوگی تو یہ جائز ہے۔ اسی پر فقیہ ابوجعفر محمد بن الیمانی نے فتوٰی دیا جو کہ محمد بن شجاع بلخی کے شاگردوں میں سے ایک ہیں۔ احمد بن ابوحارث اور ابوعمرو طبری کے شاگردوں نے اس کو نقل کیا ہے انتہی۔ غمزالعیون میں کہا اس کی صحت کی وجہ میں غور کرنا چاہئے کیونکہ یہ پوشیدہ ہے الخ۔ اور تیسری قسم یہ ہے کہ صلح اس صورت میں جائز ہوگی جب وارث بننے کے بعد مذکورہ بالا

---

[1] جامع الفصولین کتاب الوصیۃ الفصل الرابع والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۲

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ " " " " " ۲/ ۱۳۲

قال فی جامع الرموز اعلم ان الناطفی ذکر عن بعض اشیاخہ ان المریض اذا عین الواحد من الورثۃ شیئا کالدار علی ان لایکون لہ فی سائر الترکۃ حق یجوز وقیل ھذا اذا رضی ذلک الوارث بہ بعد موتہ فحینئذ یکون تعیین المیت کتعیین باقی الورثۃ معہ کما فی الجواھر[1] اھ ونقلہ فی اوائل وصایا رد المحتار وزاد ان حکی القولین فی جامع الفصولین فقال قیل جاز وبہ افتی بعضھم وقیل لا[2] انتہی اھ۔ ولم یجنح لحکایۃ ماقدمہ فی جامع الفصولین عن السیر الکبیر مع انہ کان ھو العمدۃ فی الباب فان ماذکر من الجواز افتاء البعض لو لم یکن مستندہ کما علمت الی خط بعض

جامع الرموز میں کہا تو جان۔ امام ناطفی نے اپنے بعض مشائخ سے ذکر کیا کہ مریض جب کسی ایک وارث کے لئے کوئی شے معین کر دے مثلاً گھر اس شرط پر کہ باقی ترکہ میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا تو جائز ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت جائز ہوگا جب مریض کے مرنے کے بعد وہ وارث اس پر رضامندی ظاہر کرے تو اس صورت میں میت کا معین کرنا ایسے ہی ہے جیسے اس کے ساتھ باقی وارثوں نے تعیین کی ہو۔ جیسا کہ جواھر میں ہے الخ۔ اس کو رد المحتار کے وصایا کے شروع میں نقل کیا اور یہ زائد کیا کہ ان دونوں قولوں کو جامع الفصولین میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ایک قول میں کہا گیا ہے کہ یہ جائز ہے اور اسی پر بعض مشائخ نے فتوٰی دیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے الخ اور ماقبل جامع الفصولین میں بحوالہ سیر کبیر ذکر کردہ حکایات کی طرف میلان نہیں کیا حالانکہ اس باب میں وہ عمدہ ہے کیونکہ جواز اور بعض مشائخ کے فتوٰی کا ذکر اگر بعض مشائخ کے خط کی طرف منسوب نہ ہو

---

[1] جامع الرموز کتاب الوصایا مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/۶۶۹

[2] رد المحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۲۰

المشائخ معما فی الخط من شبھة تنزلہ عن مرتبۃ الاشارۃ فضلا من العبارۃ فعندی فیما ذکر الحموی فی الغمز من احکام الکتابۃ یجوز الاعتماد علٰی خط المفتی اخذا من قولھم یجوز الاعتماد علٰی اشارتہ فالکتابۃ اولٰی[1] اھ نظر فی الاخذ وان قلنا بجواز الاخذ بہ عند حصول الامن و سکون القلب ولذا اجمعوا علٰی جواز النقل من الکتب المعتمدۃ المعروفۃ المتداولۃ کما افادہ فی الفتح فمع قطع النظر من کل ذلک لم یکن لہ بجنب نص محمد فی ظاھر الروایۃ قیام علٰی ساق مع ما فیہ من عدم التئامہ بقواعد المذھب علی الاطلاق نعم ما ذکر فی الجواھر محمل حسن وبہ یدنو من التحقیق و یزول القلق و یحصل التوفیق بیدان الواجب عندی

جیسا کہ تُو نے جان لیا باوجودیکہ خط میں شبہہ ہوتا ہے تو یہ اشارہ کے مرتبہ سے بھی گرجائیگا چہ جائیکہ عبارت (کے برابر ہو) ۔ چنانچہ میرے نزدیک اُس میں جس کو امام حموی نے احکامِ کتابت سے غمز میں ذکر کیا ہے کہ مفتی کے خط پر اعتماد جائز ہے ۔ مشائخ کے اس قول سے اخذ کرتے ہوئے کہ مفتی کے اشارے پر اعتماد جائز ہے تو کتابت پر بدرجہ اولٰی جائز ہوگا الخ اس اخذ میں نظر ہے ، اگرچہ ہم حصولِ امن اور میلانِ قلبی کے وقت اس کے ساتھ اخذ کے جواز کے قائل ہیں ، یہی وجہ ہے کہ مشہور ومروج اور قابلِ اعتماد کتابوں سے نقل کے جواز پر مشائخ نے اجماع کیا ہے جیسا کہ فتح میں اس کا افادہ فرمایا ہے اس تمام سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ قول ظاہر الروایہ میں مذکور امام محمد علیہ الرحمۃ کی نص کے مقابل اپنی پنڈلی پر قائم نہیں ہوسکتا ۔ اس کے باوجود اس میں علی الاطلاق مذہب کے قواعد کے ساتھ مطابقت بھی نہیں ہے ۔ ہاں جو جواہر میں مذکور ہے وہ ایک اچھا محمل ہے ، اور اسی کے ساتھ یہ تحقیق کے قریب ہوجاتا ہے اور اضطراب زائل ہوجاتا ہے اور مطابقت وموافقت حاصل ہوجاتی ہے ۔ اس کے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۸

رضی الورثة جمیعا بعد موت
المورث لارضی المصالح وحده
فان التخارج مبادلة بینهم فلابد
من رضاهم جمیعا لاسیما اذا
کان الذی عُیّن لہ ازید
من حقه وکانه لحظ الٰی
ان التعیین لواحد علٰی ان
لایکون لہ فی سائر الترکة
شیئ انما یکون غالبًا
باقل من حقه اومایساویه
ولیس فیه مایقتضی عدم
رضی سائر الورثة فاقتصر
علٰی ذکر اشتراط رضاه وحده
واللّٰه تعالٰی اعلم، فان
قلت لم لایجوز ان یحمل
کلام محمد محرر المذهب رحمه اللّٰه تعالٰی علی
بطلان الحق قلت کلا فان الارث جبری لایسقط
باسقاط وکیف یسوغ ابطال ما اثبته اللّٰه تعالٰی فی
کتابه والتخارج مبادلة لا اسقاط
والمبادلة تقرر الحق
وتثبته لاتبطله فلو
صح ما فعل المریض
لقیل صح ما فعل و
الحق حصل لا ان
بطل هذا عندی

علاوہ میرے نزدیک مورث کے مرنے کے بعد
تمام وارثوں کی رضامندی ضروری ہے نہ کہ
تنہا صلح کرنیوالے کی رضامندی۔ کیونکہ تخارج
وارثوں کے درمیان باہمی تبادلہ ہے لہذا
ان سب کی رضامندی ضروری ہے خصوصًا
اس صورت میں جب مذکورہ بالا وارث
کے لئے اس کے حق سے زائد کی تعیین
کر دی گئی ہو۔ گویا اس بات کو ملحوظ رکھا گیا
ہے کہ کسی ایک وارث کے لئے تعیین اس
شرط پر ہوگی کہ ترکہ میں سے اس کے لئے کچھ
نہیں ہوگا۔ غالبًا یہ تعیین اس کے حق سے کم تر
میں یا اُس کے حق کے مساوی میں ہی ہوتی ہے،
حالانکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو باقی ورثاء
کی عدم رضا کا تقاضا کرتی ہو۔ چنانچہ اکیلے اس
وارث کی رضامندی کے شرط ہونے کے ذکر پر
اکتفاء کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا
ہے۔ اگر تُو کہے کہ محررِ مذہب امام محمد رحمۃ اللہ
تعالٰی علیہ کے کلام کو بُطلانِ حق پر محمول کرنا
کیوں جائز نہیں؟ تو میں کہوں گا ہرگز نہیں
کیونکہ وارث بننا جبری امر ہے جو ساقط کرنے
سے ساقط نہیں ہوتا۔ تو جس چیز کو اللہ تعالٰی
نے اپنی کتاب میں ثا . نے فرمایا اس کو باطل
کرنا کیسے جائز ہوگا، اور تخارج باہمی تبادلہ
ہے نہ کہ کسی حق کو ساقط کرنا۔ اور باہمی تبادلہ
حق کو ثابت کرتا ہے نہ کہ اسکو باطل کرتا ہے۔

والعلم بالحق عند ربی۔ اگر وہ صحیح ہوتا جو مریض نے کیا ہے تو البتہ کہا جاتا کہ جو کچھ مریض نے کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اور حق حاصل ہوگیا ہے نہ یہ کہ وہ باطل ہوگیا ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ (ت)

یہ نفس مسئلہ صلح وارث بحیات مورث کی تحقیق تھی جس سے سائل نے علیٰ وجہ الاطلاق سوال کیا۔ رہی یہ صورتِ خاصہ کہ یہاں واقع ہوئی اسے مسئلہ صلح وتخارج سے علاقہ ہی نہیں یہاں صلح ایک سو چالیس روپے پر واقع ہوئی اور ترکہ میں روپے زائد تھے اور روپے کے حق سے کم روپوں پر تخارج قطعاً باطل ہے اگرچہ بعد موت مورث ہو۔

فی الدر المختار فی اخراجه عن نقدین وغیرهما باحد النقدین لایصلح الاان یکون مااعطی له اکثر من حصته من ذٰلك الجنس تحرزا عن الربا[1]۔

درمختار میں ہے نقدین (سونے چاندی) میں سے کسی ایک کے بدلے میں کسی وارث کو نقدین وغیرہ سے خارج کرنا صحیح نہیں مگر اُس وقت کہ جو کچھ اُس وارث کو دیا گیا ہے وہ اسی جنس میں سے اس کے استحقاقی حصے سے زائد ہوتا کہ سُود سے بچاؤ ہوجائے (ت)

تو یہ تخارج ہوتا تو یقیناً باطل ہوتا مگر یہاں دُوسرا وارث کوئی ہے ہی نہیں، نہ کوئی موصی لہ تھا جس سے مبادلہ ٹھہرے تو یہاں صلح وتخارج ومبادلہ کو دخل ہی نہیں اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ "میراث سے میں نے اتنے روپے لے لئے باقی ترکہ سے مجھے تعلق نہیں"۔ یہ نہ کوئی عقدِ شرعی ہے نہ ایک مہمل وعدہ سے زائد کچھ معنے رکھتا ہے تمام ترکہ میں بدستور اس کا حق باقی ہے تصرفات مذکورہ زید بے اس کی اجازت کے ثلث سے زائد میں نافذ نہیں ہوسکتے بلکہ اُن میں جو وصایا تھیں ان کی اجازت تو بحالِ حیاتِ موصی مفید ہی نہیں اگرچہ وارث نے صراحۃً اُس وقت کہہ دیا ہو کہ میں نے ان وصیتوں کو نافذ کیا جائز رکھا نہ اُسے اُن تصرفات زید کی اجازت معتبرہ ٹھہرا سکتے ہیں جو اس گفتگو کے بعد زید سے واقع ہوئے کہ ان میں جو وصایا تھیں ان کی اجازت کا تو حیاتِ موصی میں کوئی محل ہی نہیں۔

فی الدر المختار لاتعتبر اجازتهم درمختار میں ہے کہ وارثوں کی اجازت موصی کی

[1] الدرالمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۴۵

حال حیاته اصلا بل بعد وفاته[1] اھ

فی رد المحتار اے لانہا قبل ثبوت الحق لھم لان ثبوته عند الموت فکان لھم ان یردوہ بعد وفاته بخلاف الاجازۃ بعد الموت لانه بعد ثبوت الحق وتمامه فی المنح[2]

زندگی میں بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد معتبر ہوتی ہے الخ۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے کہ وہ اجازت وارثوں کے حق کے ثبوت سے قبل ہے کیونکہ ان کے حق کا ثبوت موصی کی موت کے وقت ہوتا ہے لہٰذا وُہ موصی کی وفات کے بعد اس اجازت کو رُد کرسکتے ہیں بخلاف اس اجازت کے جو موصی کی موت کے بعد ہوئی کیونکہ وہ ثبوتِ حق کے بعد ہے۔ اس کی پوری بحث منح کے اندر ہے۔ (ت)

البتہ وہ وقف کہ اس نے اپنے مرض میں فی الحال کردیا اگر وارث سے حیاتِ مورث ہی میں اس کی اجازت پائی گئی جب بھی نافذ و تام ہوگیا کہ بعد موتِ مورث اب وارث اسے رد نہیں کرسکتا۔

فی ردالمحتار من البزازیۃ تعتبر الاجازۃ بعد الموت لاقبله ھذا فی الوصیۃ اما فی التصرفات المفیدۃ لاحکامھا کالاعتاق وغیرہ اذا صدر فی مرض الموت واجازہ الوارث قبل الموت لاروایۃ فیه عن اصحابنا قال الامام علاءُ الدین السمرقندی اعتق المریض عبدہ ورضی به الورثۃ قبل الموت لایسعی العبد فی شیئ

ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے کہ موت کے بعد کی اجازت معتبر ہے نہ کہ پہلے کی۔ یہ وصیت کے بارے میں ہے۔ رہے وہ تصرفات جو اپنے حکم کا فائدہ دیتے ہیں جیسے آزاد کرنا وغیرہ، جب یہ مرض الموت میں صادر ہوں اور موت سے پہلے وارث اجازت دے دے تو ہمارے اصحاب سے اس بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔ امام علاءُ الدین سمرقندی نے کہا کہ کسی مریض نے اپنا غلام آزاد کردیا اور موت سے پہلے وارثوں نے اس پر رضامندی ظاہر کردی تو وہ غلام کسی شیئ میں سعی نہیں کریگا،

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۷

[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۱۷

وقد نصوا علی ان وارث المجروح اذا عفا عن الجارح یصح ولایملك المطالبة بعد موت المجروح اھ[1]۔

اور مشائخ نے اس بات پر نص فرمائی کہ زخمی کا وارث جب زخمی کرنے والے کو معاف کردے تو معافی صحیح ہوگی اور وارث زخمی کی موت کے بعد مطالبے کا مالک نہیں ہوگا اھ (ت)

اور یہیں سے واضح ہُوا کہ صورت کچھ واقع ہُوئی ہو بھتیجوں کو اصلاً کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اگر وارث یعنی بھائی نے اس وقف کو بحالِ حیاتِ مورث خواہ بعد وفاتِ مورث اور وصایا کو خاص بعد وفات جائز کیا، جب تو ایک سو چالیس ۱۴۰ روپے کے سوا باقی مال حسبِ تصرفاتِ مورث وقف و وصیت میں آگیا اور اگر ناجائز کیا تو ثلث وقف و وصیت کے لئے رہا دو ثلث بھائی کا حق ہوا بھتیجے کسی مال میں حصہ نہیں پاسکتے، وھذا ظاھر جدًا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (اور یہ خوب ظاہر ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)

فصل چہارم

مسئلہ ۹۶: از لشکر گوالیار ڈاکخانہ دربار مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب ۲۶ شوال ۱۳۱۴ھ

مخدوم و مطاع نیازمندان دام مجدکم پس از اظہار نیاز گزارش کہ ان دنوں بوجہ ضرورت ملازمان ریاست و امداد وکلا ایک رسالہ ترتیب دیا گیا ہے جس میں فرائض و صیت ہبہ، وقف، نکاح، مہر و طلاق وغیرہا کا بیان ہے اور وہ رسالہ چھپ رہا ہے۔ ایک شبہہ یہ پیدا ہوا ہے کہ آیا سوائے مادرِ حقیقی دیگر زوجاتِ اب اور سوائے جدہ حقیقی دیگر زوجاتِ جد میراث پاتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پاتیں تو تو درمختار اور فرائض شریفی وغیرہا میں جدہ کے آگے فصاعدًا اور او اکثر سے کیا مراد ہے؟ اور تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام اور ۳، ۴، ۶ یہاں تک کہ پندرہ جدات کس بنا پر درج ہیں؟ بالتفصیل اس کا جواب مطلوب ہے بمجرد ملاحظہ نیاز نامہ مرحمت ہو۔ نورالدین احمد عفی عنہ

الجواب

مولانا المکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آدمی کی ام و جدہ وہی ہیں جن کے بطن کی طرف یہ منتسب ہو وہ اس کی اصل یہ ان کی فرع ہو باقی زوجات اب و جد ام

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۷

جد نہیں، نہ ان کے لئے میراث سے کوئی حصہ، تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام عامہ کتب میں ایک دوسرے کی طرف مضاف مراد ہیں کہ دوسرے تیسرے درجہ کی جدۂ اُمیہ ہوئیں یعنی ام الام نانی یا ام ام الام نانی کی ماں، نہ یہ کہ میت کی اپنی دو تین ماں۔ ہاں علمائے کرام نے تعدد ام واب کی صورت بحالتِ تنازع قائم فرمائی ہے مثلاً چند عورتیں ایک بچہ کی نسبت مدعی ہوں ہر ایک کہے یہ میرا بیٹا ہے میرے بطن سے پیدا ہوا ہے اور اس کا حال معلوم نہ ہو، اور وہ سب مدعیات اپنے اپنے دعوے پر شہادت شرعیہ قائم کردیں اور کسی کو دوسری پر کوئی ترجیح نہ ہو تو قاضی مجبوراً ان سب کی طرف اسے منتسب کردے گا، اور جب وہ مرے اور یہ عورتیں باقی رہیں تو بحکم تنازع و عدمِ ترجیح سب ایک سدس یا ثلث میں کہ سہم مادر ہے شریک ہوجائیں گی۔ اسی طرح ایک شخص کے چند پدر اور ان کے تعدد کی ایک صورت ولدِ جاریہ مشترکہ کی ہے جبکہ سب شرکاء دعوٰی کریں۔

غمز العیون کتاب الاقرار میں ہے:

لایستحیل شرعا ان یکون للواحد ابوان اوثلثۃ الٰی خمسۃ کما فی الجاریۃ المشترکۃ اذا ادعاہ الشرکاء بل قد یثبت نسب الواحد الحر الاصیل من الطرفین کما فی اللقیط اذا ادعاہ رجلان حران کل واحد منھما من امرأۃ حرۃ کما فی التتارخانیۃ[1]

شرعی طور پر یہ محال نہیں کہ ایک شخص کے دو یا تین بلکہ پانچ تک باپ ہوں جیسا کہ مشترکہ لونڈی میں جبکہ شرکاء اس کا دعوٰی کریں، بلکہ کبھی ایک اصلی حُر کا نسب دونوں طرفوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ گرے پڑے بچے کے بارے میں جب دو آزاد مرد دعوٰی کریں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کسی آزاد عورت سے اس کی ولادت کا مدعی ہو، جیسا کہ تتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

خانیہ کتاب الدعوٰی فصل فیما یتعلق بالنکاح میں ہے:

جاریۃ بین رجلین او ثلثۃ او اکثر ولدت ولدا فادعوہ جمیعا ثبت النسب من الکل فی قول ابی حنیفۃ

ایک لونڈی نے بچہ جنا جو کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ مردوں کی مملوکہ تھی اُن سب نے اس بچے کا دعوٰی کیا تو امام ابوحنیفہ، امام زفر

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

16 وزفر والحسن بن زیاد رحمھم اللہ تعالیٰ وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ فی روایۃ یثبت من الخمسۃ لامن الزیادۃ[1] الخ

اقول فافاد ان التحدید المذکور فی الغمز مبتنی علی روایۃ نادرۃ والمذھب الاطلاق۔

اور حسن بن زیاد رحمھم اللہ تعالیٰ کے قول میں سب سے نسب ثابت ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ پانچ تک سے نسب ثابت ہوگا زیادہ سے نہیں اھ میں کہتا ہوں اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ غمز میں مذکور حد بندی نادر روایت پر مبنی ہے جبکہ مذہب مطلق ہے (ت)

ہندیہ کتاب الدعوٰی میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجلان خارجان اقام کل واحد (منھما) البینۃ انہ ابنہ ولد علی فراشہ من امرأتہ ھذہ جعل ابن الرجلین والمرأتین[2] الخ۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دو غیر قابض مردوں میں سے ہر ایک نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ یہ میرا بیٹا ہے میرے فراش پر میری اس بیوی سے پیدا ہوا ہے تو اس کو ان دونوں مردوں اور دونوں عورتوں کا بیٹا قرار دے دیا جائے گا الخ (ت)

اور جدّہ واقعی متعددہ ہوتی ہیں کہ آدمی کی جدہ ہر وہ عورت ہے جو اس کی اصل کی اصل ہو، اصل دو ہیں اب وام، اور ان میں ہر ایک کے لئے دو اصلیں ہیں، تو یہ پہلا درجہ اصل الاصول کا ہے جس میں چار اصلیں پائی گئیں دو مرد اور دو عورتیں، یہ دونوں عورتیں جدہ ہیں ایک امیہ یعنی ماں کی طرف سے کہ ام الام یعنی نانی ہے اور دوسری ابویہ باپ کی طرف سے کہ ام الاب یعنی دادی ہے یہ دونوں جدہ صحیحہ ہیں۔ پھر چاروں اصلوں میں ہر ایک کے لئے دو اصلیں ہیں تو دوسرے درجہ میں آٹھ اصول ہوں گے چار مرد چار عورتیں، یہ چاروں عورات جدہ ہیں، دو امیہ ام اب الام، ام ام الام۔ اور دو ابویہ ام اب الاب، ام ام الاب ابویہ دونوں صحیحہ ہیں۔ اور امیہ کی پہلی فاسدہ دوسری صحیحہ۔ یونہی ہر درجہ میں جدّات کا عدد دونا ہوتا جائے گا۔ تیسرے درجہ میں آٹھ، چوتھے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوٰی۔ فصل فیما یتعلق بالنکاح الخ نولکشور لکھنؤ ۳/۴۹۶

[2] الفتاوی الہندیۃ " الباب الرابع عشر الفصل الخامس الخ نورانی کتب خانہ کراچی ۴/۱۲۵

16
16

میں سولہ[16]، پانچویں میں بتیس[32] وعلیٰ ھٰذا القیاس تضاعیف بیوت شطرنج کی طرح یہاں تک کہ بیسویں درجہ میں دس لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو چھہتر جدہ ایک درجہ کی ہونگی نصف امیہ نصف ابویہ، اور ان میں صحیحہ کا شمار پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ امیات میں تو کسی درجہ میں ایک سے زائد جدہ صحیحہ نہ ہوگی کہ جدہ امیہ وہی صحیحہ ہے جس تک میت کے سلسلے میں سوا ام کے اب اصلاً نہ واقع ہوا اور ابویات ہر درجہ میں بشمار اس درجہ کے صحیحہ ہونگی باقی ساقطہ مثلاً پانچویں درجہ میں پانچ ابویہ ثابتہ ہیں گیارہ فاسدہ، اور دسویں میں دس صحیحہ پانچ سو دو ساقطہ وعلیٰ ھٰذا القیاس کہ جدہ ابویہ میں جب تک جانب نزول صرف لفظ اَب اور جانب صعود صرف لفظ ام ہے جدہ صحیحہ ہے اور جہاں دو[2] اُم کے بیچ میں لفظ اَب آیا وہیں فاسدہ ہو جائے گی پس جس قدر درجوں کی جدات صحیحہ لینی ہوں اتنی ہی بار لفظ اَب برابر برابر لکھا جائے اور اس کے اوپر اُم لکھ دیجئے یہ سطر اول ہوئی جس کے شروع میں لفظ ام باقی اب ہے۔ سطر دوم میں اُم کے قریب جو پہلا اَب ہے اسے بھی اُم سے بدل دیجئے کہ دو[2] ام ہوں اور باقی اَب اسی طرح سطر سوم میں تین ام، چار میں چار یہاں تک کہ اخیر میں سب اُم ہو جائیں یہ سب جدات صحیحات ہونگی یا اخیر کی امیہ اور اوپر کی سب ابویہ اور طریق اس کا احضر ہونا ظاہر ہے کہ طریق اول میں جتنی جدہ بتانی ہوں بقدر ان کے مجذور کے لفظ اب وام لکھنے ہونگے اور یہاں ان کی ضعف سے بھی ایک کم مثلاً سو جدہ دکھانے کو اس طریق میں دس ہزار لفظ درکار ہونگے اور اس میں صرف ایک سو ننانوے[199] احضر یہ ہے کہ جتنے درجہ کی جدہ لینی ہوں اتنی ہی بار زیر وبالا لفظ اَب اور اسی قدر ان کے محاذی لفظ اُم لکھ کر اخیر میں دونوں کے وسط پر اُم لکھ دیجئے آباء واُمہات کو دو خط مستقیم عمودی سے ملا دیجئے اور اُم اخیرہ سے اس کے قریب کے اَب واُم دونوں اور باقی ہر اُم سے اس کے ایک درجہ اوپر کے اب تک خطوط منحرفہ کھینچ دیجئے خط عمودی امہات مع ام اخیرہ جدیہ امیہ کو بتائے گا اور باقی خطوط ابویات صحیحہ کو یہ سب بیانات ان چار نقشوں سے کالعیان ہو جائیں گے دو[2] نقشہ اول میں جہاں لفظ اُم بخط نسخ ہے وہ جدہ صحیحہ ہے باقی ساقطہ۔
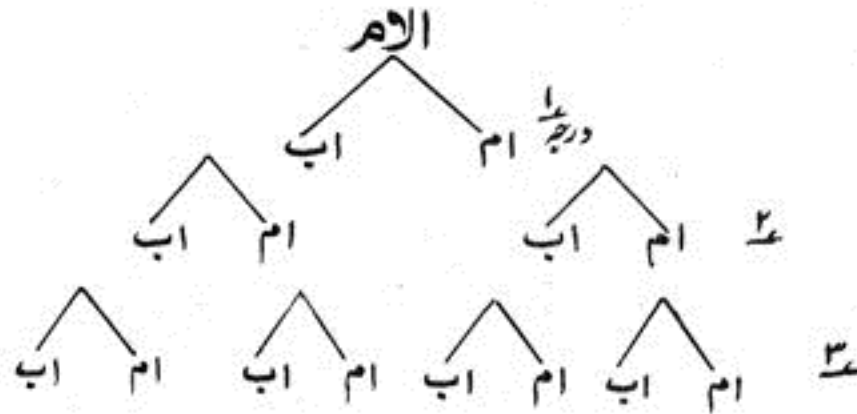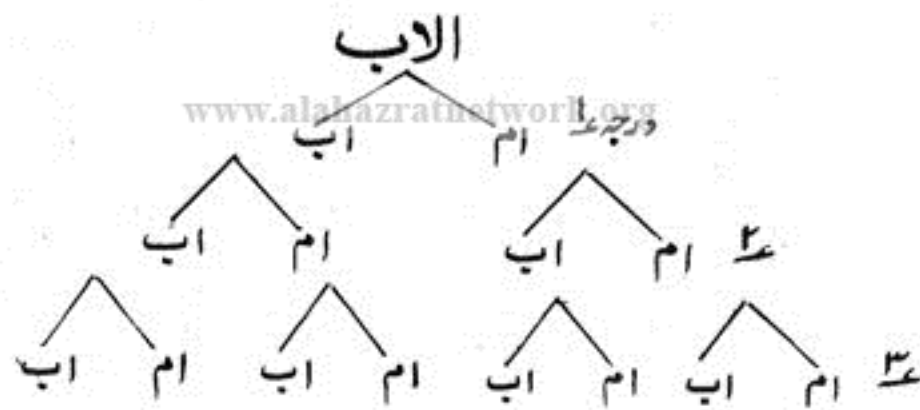
(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

نقشہ جدّات ثابتہ ابویات و اُمیہ درجہ پنجم

١	ام	اب	اب	اب	اب	اب
٢	ام	ام	اب	اب	اب	اب
٣	ام	ام	ام	اب	اب	اب
٤	ام	ام	ام	ام	اب	اب
٥	ام	ام	ام	ام	ام	اب
٦	ام	ام	ام	ام	ام	ام

نقشہ پانزدہ[۱۵] جدّہ صحیحہ یکے امیہ و چاردہ[۱۴] ابویہ بطریق اخصر کہ در درجہ چہاردہم حاصل میشوند

الاب	الام
اب	ام
اب	ام
اب	ام
اب	ام
اب	ام
اب	ام
اب	ام
اب	ام
اب	ام
اب	ام
اب	ام
اب	ام
اب	ام
اب	ام

ام

اس تقریر سے قاعدہ ا اور او اکثر اور ایک درجہ میں پندرہ[۱۵] جدہ صحیحہ سب کے معنی منکشف ہوگئے، اور ظاہر ہوا کہ کچھ پندرہ پر حصر نہیں جس قدر چاہیں حاصل کرسکتے ہیں مثلاً پچیس جدّہ صحیحہ ہمیں درجہ بست و چہارم میں ملیں گی، اس درجہ کی کل جدات ایک کروڑ سڑسٹھ لاکھ ستتر ہزار دوسو سولہ (۱۶۷۷۷۲۱۶) میں سب ساقط مگر پچیس[۲۵] ایک اُمیہ اور چوبیس[۲۴] ابویہ کہ صحیحہ ہیں، یہ تمام بیانِ منیر فقیر حقیر نے عین وقتِ تحریر میں اپنے ذہن سے استخراج کیا پھر دیکھا تو ہندیہ میں

اختیار شرح مختار سے طریق اول نقل فرمایا وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم۔

فصل پنجم

مسئلہ ۹۷: از کلکتہ مولوی امداد علی لین ع۱ مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب بنگالی منتہی طالب علم مدرسہ عالیہ کلکتہ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں کہ شخصے بحضور یک زوجہ وسہ بنت وسہ بنت الابن ودو ابن ابن الاخ اموال گزاشتہ پیک اجل را لبیک گفت پس ترکہ اش درمیان ورثہ مذکورین چگونہ منقسم خواہد شد بینوا توجروا

اے علمائے کرام اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے جس نے ایک بیوی، تین بیٹیوں، تین پوتیوں اور بھائی کے دو پوتوں کی موجودگی میں مال چھوڑ کر موت کے پیغام کو لبیک کہا۔ پس اس کا ترکہ مذکورہ وارثوں کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا؟ بیان کرو اجر پاؤ گے (ت)

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۵۰۴

زید

زوجہ	بنت	بنت	بنت	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ
۶۳	۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	۱۵	۱۵	۱۵	۳۰	۳۰

جناب من! حدادب، پس از سلام سنت خیر الانام عرض بخدام برتر مقام میگزارم کہ برصورت مرقوم بالا دریں صوبہ بنگلہ اختلافات شتّی رو دادہ کہ بنت الابن یا ابن ابن الاخ عصبہ تواند شد یا چہ؟ از دلائل ردالمحتار وشریفیہ معلوم شد کہ بنات الابن چنانچہ با برادر عینی خود عصبہ شوند ہمبران نسق با ابن عم خود ہم عصبہ شوند وایشان ہم بنی عم ایں زمان اند پس مستحق باقی مال زید تواند شد

میری سرکار! بے حد ادب، اور تمام مخلوق سے بہتر شخصیت کی سنّت کے مطابق بارگاہِ عالی میں سلام عرض کرنے کے بعد گزارش کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا صورت میں صوبہ بنگال میں متعدد اختلاف رونما ہوچکے ہیں کہ میت کی پوتی یا میت کے بھائی کا پوتا عصبہ ہوسکتے ہیں یا کیا صورت ہے؟ ردالمحتار اور شریفیہ کے دلائل سے معلوم ہوا کہ پوتیاں اپنے عینی بھائی کے ساتھ عصبہ ہوجاتی ہیں، اسی طرح اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ بھی عصبہ ہوجاتی ہیں۔ وہ بھی اس وقت

یا نہ بر ہر دو تقدیر از کتب معتبرہ استدلال نمودہ وجواب شافیش عنایت فرمودہ رہین منت فرمایند بفحوائے آیۂ کریمہ وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تکتموا الحق زیادہ والسلام مع التعظیم والاکرام عرض پرداز فدوی محمد عبدالعزیز عفی ساکن حال کلکتہ۔ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ۔

چچا کے بیٹے ہیں، پس وہ زید کے باقی مال کے مستحق ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ دونوں صورتوں میں معتبر کتابوں سے دلیل لاتے ہوئے تسلی بخش جواب عنایت فرماکر احسان مند فرمائیں اس آیت کریمہ کے تقاضے کی وجہ سے "اور نیکی کے کاموں اور تقوٰی پر ایک دوسرے سے تعاون کرو" اور "حق کو مت چھپاؤ" تعظیم و تکریم کے ساتھ مزید سلام۔ درخواست گزار فدوی محمد عبدالعزیز اس سے درگزر فرمایا جائے ساکن حال کلکتہ۔ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ (ت)

الجواب

مکرما السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ در صورت مستفسرہ تصحیح از یک صد وچہل وچار ست وبنات الابن محجوبات بہ بنات وتقسیم چناں۔

مکرما السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پوچھی گئی صورت میں مسئلہ کی تصحیح ایک سو چوالیس (۱۴۴) سے ہوگی۔ پوتیاں بیٹیوں کی موجودگی میں محروم ہونگی۔ اور تقسیم اس طرح ہوگی:

مسئلہ ۲ تصحیح ۱۴۴

زید

زوجہ	بنت	بنت	بنت	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ	بنت الابن
۱۸	۳۲	۳۲	۳۲	۱۵	۱۵	م

بنت الابن	بنت الابن
م	م

اگر دلائل بکارست فاقول وباللہ التوفیق:

اوّلاً بنات الابن را عصبہ نتواں کرد مگر ابن الابن وان سفل پس چوں با دویا بیش

اگر دلائل درکار ہیں تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی طرف سے ہی توفیق حاصل ہوتی ہے:

پہلی دلیل: پوتیوں کو سوائے پوتے کے کوئی عصبہ نہیں بنا سکتا اگرچہ وہ پوتا اُن سے نچلے

صلبیات باشند چیزے نیابند مطلقاً مگر صورت واحدہ کہ بالیشاں یا فروتر ازیں شان مرے از اولاد پسرِ میت باشد۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبیداللہ غزی تمرتاشی در تنویر الابصار متن الدر المختار فرمود اذا استکمل البنات فرضھن سقط بنات الابن الا بتعصیب ابن ابن مواز او سافل[1]۔ علامہ ابراھیم حلبی در ملتقی الابحر کہ از متون معتمدہ فی المذھب ست فرماید اذا استکمل بنات الصلب الثلثین سقط بنات الابن الا ان یکون بحذائھن او اسفل منھن ابن ابن فیعصب من بحذائہ ومن فوقہ من لیست بذات سھم و تسقط من دونہ[2]۔ علامہ محمد بن حسین بن علی طوری در تکملۂ بحرالرائق فرماید ان کان للمیت ابنتان فلا شیئ لبنت الابن الا ان یکون

درجے میں ہو۔ پس جب دو یا دو سے زائد میت کی صلبی بیٹیاں موجود ہوں تو پوتیاں بالکل کچھ نہیں پاتیں سوائے ایک صورت کے کہ انکے ساتھ یا ان کے نیچے کے درجے میں میت کے بیٹے کی اولاد سے کوئی مرد موجود ہو۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبیداللہ غزی تمرتاشی نے درمختار کے متن تنویر الابصار میں فرمایا جب بیٹیاں اپنا فرضی حصہ مکمل طور پر لے لیں تو پوتیاں ساقط ہوجاتی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے برابر یا اُن سے نیچے کے درجے کا کوئی پوتا انھیں عصبہ بنادے۔ علامہ ابراہیم حلبی ملتقی الابحر جو کہ مذہب کے قابلِ اعتماد متون میں سے ہے میں فرماتے ہیں جب صلبی بیٹیاں دو تہائی مال مکمل طور پر لے لیں تو پوتیاں ساقط ہوجاتی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے برابر یا ان کے نیچے کے درجے میں کوئی پوتا موجود ہو تو وہ پوتا اپنے برابر والیوں کو اور اپنے سے اوپر والیوں جو کہ ذوی فرض نہوں عصبہ بنادیتا ہے اور اس پوتے سے نیچے کے درجے والیاں ساقط ہوجاتی ہیں۔ علامہ محمد بن حسین بن علی طوری بحرالرائق کے تکملہ میں فرماتے ہیں اگر میت کی دو بیٹیاں ہوں تو پوتیوں کے لئے کچھ نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ان پوتیوں

---

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۹

[2] ملتقی الابحر " فصل فی الحجب موسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۳۴۸

ف درجتها او اسفل منها
ابن ابن فتصیر عصبة
لہ[1] پیداست کہ ابن ابن الاخ ابن
الابن نیست پس از صورت استثناء
خارج باشد۔

ثانیًا نص ہمیں در تعصیب بنات
بہ ابناء واخوات بہ اخوۃ آمدہ است
وپس بنات وابنائے ابن در بنات
وابنائے میت داخل اند بالاجماع پس
تعصیب بنات ابن بہ ابنائے اخ بے دلیل
شرعی ست۔ علامہ شیخی زادہ رومی در
مجمع الانہر فرماید ان النص
الوارد فی صیرورۃ الاناث بالذکور
عصبۃ انما ھو فی موضعین
البنات بالبنین والاخوات
بالاخوۃ۔[2]

ثالثًا علماء جائیکہ عصبات بغیرہن
راشمارند بنت الابن را بقید تعصیب
ابن الابن آرند در ہندیہ از حاوی القدسی
آورد عصبۃ بغیرہ وھی
کل انثی تصیر عصبۃ

کے درجے میں یا ان سے نیچے کے درجے میں
کوئی پوتا ہو تو وہ پوتیاں اس پوتے کی وجہ سے
عصبہ بن جائیں گی۔ ظاہر ہے کہ میت کے
بھائی کا پوتا میت کا پوتا نہیں ہے لہٰذا
وہ استثناء والی صورت سے خارج ہوگا۔

دوسری دلیل: نص تو فقط بیٹوں کے سبب
سے بیٹیوں کے اور بھائیوں کے سبب سے
بہنوں کے عصبہ بننے کے بارے میں آئی ہے
میت کے پوتے اور پوتیاں اس کے بیٹوں اور
بیٹیوں میں بالاجماع داخل ہیں۔ چنانچہ میت
کی بھتیجیوں کا اس کے بھتیجوں کے سبب سے
عصبہ بننا دلیل شرعی کے بغیر ہے۔ علامہ
شیخی زادہ رومی مجمع الانہر میں فرماتے ہیں
مذکر کے سبب سے مؤنث کے عصبہ ہوجانے
کے بارے میں نص دو جگہوں میں وارد ہے
(۱) بیٹیاں بیٹوں کے ساتھ (۲) بہنیں
بھائیوں کے ساتھ۔

تیسری دلیل: علماء کرام نے جس جگہ
عصبہ بغیرہ کو شمار کیا ہے پوتی کے ساتھ
یہ قید لائے ہیں کہ پوتا اس کو عصبہ بنائے۔
ہندیہ میں حاوی القدسی سے نقل کیا ہے
عصبہ بغیرہ ہر وہ مؤنث ہے جو اپنے برابر کے

---

[1] تکملہ بحر الرائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/۴۹۴
[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ″ فصل فی العصبات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۴۵

بذکر یوازیها وهن اربعة
البنت بالابن وبنت الابن
بابن الابن والاخت لاب
وام باخیها والاخت لاب باخیها[1]
در متن تنویر و شرح او در مختار ست
تصیر عصبة بغیرہ البنات
بالابن وبنات الابن بابن
الابن وان سفلوا[2]۔ امام حسین بن
محمد سمعانی در خزانۃ المفتین فرماید
الثانی وهو العصبة بغیرہ و
وهن اربع من النساء یصرن
عصبة باخوتهن فالبنات
یصرن عصبة بالابن وبنات الابن
بابن الابن والاخوات لاب وام باخیهن
والاخوات لاب باخیهن[3]

رابعاً غیر ابن وابن الابن وان سفل
واخ عینی یا علاتی هیچ ذکر را قوت
تعصیب نیست تا آنکہ ابن الاخ یا عم
وابن العم ہم خواهر عینیہ خودش
را عصبہ نتواں نمود۔ علامہ محمد بن علی
دمشقی در ہمیں درمختار فرمود

مذکر کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے۔ اور وہ
چار عورتیں ہیں (۱) بیٹی بیٹے کے ساتھ
(۲) پوتی پوتے کے ساتھ (۳) حقیقی بہن اپنے
بھائی کے ساتھ (۴) علاتی بہن اپنے بھائی
کے ساتھ۔ متن تنویر اور اس کی شرح درمختار
میں ہے: بیٹیاں بیٹے کے ساتھ اور پوتیاں
پوتے کے ساتھ اگرچہ وہ نیچے تک ہوں عصبہ
بغیرہ بن جاتی ہیں۔ امام حسین بن محمد سمعانی
خزانۃ المفتین میں فرماتے ہیں، عصبہ کی دوسری
قسم عصبہ بغیرہ ہے، وہ چار عورتیں ہیں جو اپنے
بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں، چنانچہ
بیٹیاں بیٹے کے ساتھ، پوتیاں پوتے کے ساتھ،
حقیقی بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ، اور
علاتی بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ
بن جاتی ہیں۔

چوتھی دلیل: بیٹے، پوتے اگرچہ نیچے تک
ہوں، حقیقی بھائی یا علاتی بھائی کے سوا
کوئی مذکر کسی کو عصبہ بنانے کی طاقت نہیں
رکھتا یہاں تک کہ بھتیجا یا چچا یا چچا کا بیٹا بھی
خود اپنی حقیقی بہنوں کو عصبہ نہیں بنا سکتے۔
علامہ محمد بن علی دمشقی نے اسی درمختار میں فرمایا

---

[1] الفتاوی الہندیہ کتاب الفرائض الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۴۵۱
[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار ″ فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۷
[3] خزانۃ المفتین ″ قلمی نسخہ ۲/۲۰۲

قال فی السراجیة سہ

ولیس ابن الاخ بالمعصب
من مثله اوفوقه فی النسب

بخلاف ابن الابن وان
سفل فانه یعصب من
مثله اوفوقه ممن
لم تکن ذات سهم ویسقط من دونه[1]
امام سمعانی درخزانۃ المفتین متصل بہ عبارت
مذکورہ بالا فرماید والباقی العصبات
ینفرد بالمیراث ذکورهم دون اخواتهم
وهم اربعة ایضا العم وابن العم وابن الاخ
وابن المعتق[2]

خامسًا اگر مراد بوقوع غلام
بمحاذات بنات یا بالا یا فرود وقوع
او درہمیں سلسلہ نسب ست کہ
نوعیت انتساب متبدل نگردد کما
هو الحق المبین بجزم و
یقین پس آنگاہ ابناء اخ
را خود مساغی نیست کہ ایں جا سخن
در جزء میت ست و او جزء پدر میت
واگر مراد اعم گیرند تا ابن ابن الاخ
کہ بمحاذات درجہ بنت الابن ست

کہ سراجیہ میں کہا ہے :
بھتیجا عصبہ بنانے والا نہیں ہے۔ نہ اپنی
مثل کو نہ اس کو جو نسب میں اس سے اونچا ہے۔
بخلاف پوتے کے اگرچہ وہ نیچے تک ہو وہ اپنی
مثل اور اپنے سے اوپر والیوں کو عصبہ
بنا دیتا ہے جبکہ وہ ذی فرض نہ ہوں ۔ اور
اس سے نیچے والیاں ساقط ہو جاتی ہیں۔ امام
سمعانی خزانۃ المفتین میں عبارتِ مذکورہ کے
متصل فرماتے ہیں ، باقی عصبات وہ ہیں جن کے
مذکر تنہا میراث پاتے ہیں ان کی بہنیں میراث
نہیں پاتیں، وہ بھی چار ہیں: (۱) چچا (۲) چچا
کا بیٹا (۳) بھتیجا (۴) آزاد کرنے والے کا بیٹا۔
پانچویں دلیل : اگر بیٹیوں کے برابر یا اوپر
کے درجے میں یا نیچے کے درجے میں لڑکے
کے واقع ہونے سے مراد اسی سلسلۂ نسب
میں اس کا واقع ہونا ہے کہ انتساب کی
نوعیت میں تبدیلی نہ آئے جیسا کہ یہی حق ہے،
اور جزم و یقین کے ساتھ ظاہر ہے، تو اس
صورت میں بھتیجوں کی یہاں کوئی گنجائش نہیں
کیونکہ گفتگو یہاں میّت کی جزء میں ہے جبکہ بھتیجا میت
کے باپ کی جزء ہے۔ اور اگر اس سے مراد
عام لی جائے تاکہ بھائی کا پوتا جو میت کی پوتی کے

---

[1] الدر المختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۹
[2] خزانۃ المفتین کتاب الفرائض قلمی نسخہ ۲/۲۵۲

اورا عصبہ کند واجب شد کہ این الاخ کہ بالا تر از وست بنت الابن را از میراث افگند اگرچہ در انجا صلبیہ ہیچ نبود کہ سقوط سفلیات بغلام عالی عام و مطلق ست از درمختار شنیدی ویسقط من دونہ وخود در مسئلہ تشبیب کہ لاشیٔ للسفلیات گفتہ اند فرض مسئلہ بے صلبیات ست و خود پیداست کہ چوں کار تعصیب کشد اقرب حاجب البعد بود حالانکہ ایں معنی مخالف اجماع است حجب بنات الابن ہمیں بہ ابن ودو صلبیہ نوشتہ اند نہ بابن الاخ وعلامہ انقروی در حل المشکلات کہ خود او تاریخ تالیفش قد حل المشکلات ۹۶۳ فرمودہ است می نگارد اذا مات رجل و ترک ابن اخ و زوجۃ و بنت ابن فالمسئلۃ من ثمانیۃ لان فیھا ثمنا و نصفا وما بقی فالثمن للزوجۃ والنصف لبنت الابن وما بقی

محاذی (برابر درجے میں) ہے اسکو عصبہ بنادے تو ضروری ہوگا کہ بھائی کا بیٹا جو پوتے سے اوپر درجے میں ہے پوتی کو میراث سے خارج کردے اگرچہ وہاں کوئی صلبی بیٹی موجود نہ ہو کیونکہ نچلے درجے والیوں کا اوپر کے درجے والے لڑکے کی وجہ سے ساقط ہوجانا عام اور مطلق ہے۔ درمختار سے تو سن چکا ہے کہ لڑکا اپنے سے نچلے درجے والی کو ساقط کردیتا ہے۔ خود مسئلہ تشبیب جس کو فرض ہی صلبی بیٹیوں سے خالی کیا گیا ہے میں کہا گیا ہے کہ نچلے درجے والیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ خود ظاہر ہے کہ جہاں عصبہ بنانے کی کارروائی ہوتی ہے وہاں قریب والا دور والے کے لئے حاجب ہوتا ہے حالانکہ یہ معنی اجماع کے خلاف ہے۔ پوتیوں کا میراث سے محروم ہونا بیٹے اور دو صلبی بیٹیوں کی وجہ سے ہی مشائخ نے تحریر فرمایا ہے نہ کہ بھتیجے کی وجہ سے۔ علامہ انقروی حل المشکلات میں لکھتے ہیں جس کی تاریخ تالیف خود انھوں نے قد حل المشکلات (تحقیق مشکلیں حل ہوگئیں) فرمائی ہے۔ جب کوئی مرد فوت ہو اور اس نے ایک بھتیجا، ایک بیوی اور ایک پوتی چھوڑی ہو تو مسئلہ آٹھ سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں آٹھواں حصہ، نصف اور بقیہ ہے چنانچہ آٹھواں حصہ بیوی کو، نصف پوتی کو

لابن الاخ[1] الخ و فیه مسائل اخریٰ من ھٰذا النوع۔

سادسًا اگر ابن الاخ حاجب بود اخ کہ اقرب از وست اولٰی باوست وایں ہم باطل ست باجماع وفی حل المشکلات اذامات رجل وترک اخا و بنت ابن فالمسئلۃ من اثنین لان فیھا نصفا ومابقی فالنصف لبنت الابن ومابقی للاخ[2]

سابعًا ایں تعصیب اگر بودے نبودے وشئی چوں وجود او مستلزم عدم او باشد محال بود بیان ملازمت آنکہ درعصبات اصل مطرد آنست کہ جزء میت مقدم بر جزء پدر اوست پس ابن ابن الاخ اگر بنت الابن را عصبہ نمودی بنت الابن او را محجوب فرمودے وچوں محجوب میشد تعصیب کہ میکرد، فھٰذا اشئ لوکان لم یکن وای محال ابعد منہ۔

ثامنًا تعصیب محاذیہ مختص بوجود

اوربقیہ بھتیجے کو ملے گا الخ حل المشکلات میں اس نوعیت کے دیگر مسائل بھی ہیں۔

چھٹی دلیل: اگر بھتیجا حاجب ہوتا ہے تو بھائی جو کہ بھتیجے سے اقرب ہے وہ بدرجۂ اولیٰ حاجب بنے گا۔ اور یہ بھی بالاجماع باطل ہے۔ حل المشکلات میں ہے جب کوئی مرد ایک بھائی اور ایک پوتی چھوڑ کر فوت ہوجائے تو مسئلہ دو سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں نصف اور بقیہ ہے چنانچہ نصف پوتی کو اور بقیہ بھائی کو ملے گا۔

ساتویں دلیل: یہ عصبہ بنانا اگرچہ موجود ہوتا تو معدوم ہوتا۔ اور جس شئی کا وجود اس کے عدم کو چاہے وہ شئی محال ہوتی ہے۔ ملازمہ کا بیان یہ ہے عصبوں کے اندر یہ قاعدۂ کلیہ جاری ہے کہ میت کی جزء اس کے باپ کی جزء پر مقدم ہوتی ہے۔ لہذا بھائی کا پوتا اگر میت کی پوتی کو عصبہ بناتا تو وہ پوتی اس کو میراث سے محروم کردیتی۔ اور جب وہ خود محروم ہوجاتا تو عصبہ کیونکر بناتا؟ یہ ایک ایسی شئی ہے کہ اگر موجود ہو تو معدوم ہوگی۔ اور اس سے بڑھ کر کون سا محال ہوگا؟

آٹھویں دلیل: کسی پوتے کا اپنی برابر والی

---

[1] حل المشکلات

[2] " " "

دو صلبیہ نیست بلکہ با یک صلبیہ و بے صلبیہ
نیز حکم ہمیں ست فی رد المحتار
للبنات ستة احوال ثلثة
تتحقق فی بنات الصلب
و بنات الابن وھی النصف
للواحدة والثلثان للاکثر
واذا کان معهن ذکر
عصبهن[1] ۔ در سراجیہ و شریفیہ
فرماید العصبة بغیرہ اربع
من النسوة البنت و بنت
الابن والاخت لاب و
ام والاخت لاب یصرن عصبة
باخوتهن[2] اھ مختصرا ۔ پس بر تقدیر
تعصیب لازم آید کہ در مسئلہ زوج و
بنت و بنت الابن و ابن ابن الاخ
مسئلہ از دوازدہ باشد سہ بشوہر
و شش بدختر و سہ باقی در عصبتین للذکر
مثل حظ الانثیین کما ھو مصرح
بہ فی جمیع الکتب فی مسئلة
تعصیب بنت الابن بغلام
معها او اسفل منها ۔
پس بنت الابن را یک باشد و

پوتیوں کو عصبہ بنانا دو صلبی بیٹیوں کے موجود
ہونے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ ایک صلبی بیٹی
ہو یا کوئی صلبی بیٹی نہ ہو تب بھی حکم یہی ہے ۔
رد المحتار میں ہے : بیٹیوں کے چھ حال ہیں
جن میں سے تین صلبی بیٹیوں اور پوتیوں میں متحقق
ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں اکیلی ہو تو نصف ،
ایک سے زائد ہوں تو دو تہائی ، اور اگر ان
کے ساتھ کوئی مذکر ہو تو وہ ان کو عصبہ
بنائے گا ۔ سراجیہ اور شریفیہ میں فرماتے ہیں :
عصبہ بغیرہ چار عورتیں ہیں : بیٹی ، پوتی ،
عینی بہن اور علاتی بہن ۔ یہ اپنے بھائیوں
کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں اھ اختصار ۔
پس عصبہ بنانے کی تقدیر پر لازم آتا ہے
کہ خاوند ، بیٹی ، پوتی اور بھائی کا پوتا
چھوڑنے کی صورت میں مسئلہ بارہ [۱۲] سے ہو ،
جس میں سے تین خاوند کو ، چھ بیٹی کو اور باقی
تین دو عصبوں میں اس طرح تقسیم ہوں کہ
مذکر کا حصہ دو مونثوں کے حصے کے برابر
ہو ، جیسا کہ برابر والے لڑکے یا نچلے درجے
والے لڑکے کی وجہ سے پوتیوں
کے عصبہ بن جانے والے مسئلہ میں تمام
کتابوں میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے ، چنانچہ

---

[1] رد المحتار کتاب الفرائض دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۹۲
[2] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب العصبات مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص۴۰

ابن ابن الاخ بلکہ ابن ابن ابن ابن الاخ
ہرچہ فروتر روندہ را دو لیکن دریں مسئلہ
اگر بجائے او اخ عینی گیرند امر منعکس میشود
بنت الابن را دو باشد و برادر حقیقی را
یک۔ فی حل المشکلات
اذا ماتت امرأۃ و ترکت
اخا و زوجا و بنت
صلب و بنت ابن فالمسئلۃ
من اثنی عشر لان
فیھا سدسا و ربعا و نصفا
و ما بقی فالسدس
لبنت الابن و الربع للزوج
والنصف لبنت الصلب
و ما بقی للاخ[1] پس
استحقاق اخ کمتر از استحقاق ابن ابن
ابن ابن خودش اگرچہ بصد درجہ
پایان تر از وست ایں خود شبیہ
بالمحال ست۔

پوتی کو ایک حصہ ملے گا اور بھائی کے پوتے کو
______ بلکہ بھائی
کے پوتے کے پوتے کو جہاں تک نیچے چلا جائے
دو حصے ملیں گے۔ لیکن اس مسئلہ میں بھائی کے
پوتے کے بجائے اگر حقیقی بھائی کو فرض کریں تو
معاملہ اُلٹ جاتا ہے۔ اس صورت میں پوتی
کو دو اور حقیقی بھائی کو ایک حصہ ملتا ہے۔
حل المشکلات میں ہے جب کوئی عورت
فوت ہوئی اور اس نے ایک بھائی، خاوند،
ایک صلبی بیٹی اور ایک پوتی چھوڑی تو مسئلہ
بارہ ۱۲ سے بنے گا۔ کیونکہ اس مسئلہ میں ایک
چھٹا حصہ، ایک چوتھا حصہ، نصف اور
بقیہ ہے۔ چنانچہ چھٹا حصہ پوتی کے لئے چوتھا
حصہ خاوند کے لئے، نصف صلبی بیٹی کے لئے،
اور بقیہ بھائی کے لئے ہوگا۔ تو اس طرح بھائی
کا استحقاق اپنے پوتے کے پوتے کے استحقاق
سے کمتر ہوگا اگرچہ بھائی کے پوتے کا پوتا بھائی
سے سو درجے نیچے ہو۔ یہ خود محال کے
مشابہ ہے۔

تاسعًا بلکہ لازم آید کہ اخ عینی
محروم باشد و اینکہ بصد
واسطہ دورتر از وست ارث یابد
مسئلہ زوج و ام و بنت و بنت الابن و

نویں دلیل: بلکہ لازم آتا ہے کہ حقیقی بھائی
محروم ہوجائے اور جو اس سے سو درجے
دور ہے وہ میراث پائے۔ خاوند، ماں،
بیٹی، پوتی اور بھائی کے پوتے کا

---

[1] حل المشکلات

ابن ابن ابن ابن ابن الاخ از دوازدہ[12] شدہ بسی و شش تصحیح پذیرد نہ[9] بشوہر و شش[6] بمادر ہیجدہ[18] بدختر و دو[2] با ابن پسر برادر و یک بدختر پسر و اگر جائے او خود برادر آید مسئلہ بسیزدہ[13] عول کند و برادر عینی تہی دست رود، اذ لاشئ بعصبۃ مع العول، اگر زاعمے زعم فرماید کہ اخ نیز تعصیب بنت الابن نماید خود نصوص صریحہ اسقاط اعلیٰ لسفلی را خلاف کردہ باشد۔

مسئلہ بارہ[12] سے بنے گا جس کی تصحیح چھتیس[36] سے ہوگی۔ نو حصے خاوند کو، چھ ماں کو، اٹھارہ بیٹی کو اور دو[2] بھائی کے پوتے کو اور ایک پوتی کو ملے گا۔ اور اگر بھائی کے پوتے کی جگہ خود بھائی آتا تو مسئلہ تیرہ کی طرف عول کرتا اور حقیقی بھائی خالی ہاتھ جاتا، اس لئے کہ عول کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں ملتا۔ اگر کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ بھائی بھی پوتی کو عصبہ بناتا ہے تو وہ خود اُن صریح نصوص کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا جن میں اوپر والے وارث کے نیچے والے کو ساقط کرنے کا بیان ہے۔

عاشرًا اگر ازیں ہمہ قطع نظر را کار فرمایم تا بر تقدیر تعمیم غلام بایں ابنائے اعمام دلیلے کہ بر مسئلہ آوردہ اند زنہار منطبق نباید و سخن بہ تناقض و تہافت گراید کلام سید قدس سرہ شنیدن دارد کہ می فرماید ان بنات الابن اذا کان بحذائهن غلام سواء کان اخاهن او ابن عمهن فانه یعصبهن کما ان الابن الصلبی یعصب البنات الصلبیة و ذلک لان الذکر من اولاد الابن یعصب الاناث اللاتی

دسویں دلیل: اگر اس تمام سے قطع نظر کارروائی کریں تو غلام (لڑکے) کو عام مان کر چچا کے بیٹوں کو اس میں شامل کرنے کی صورت میں وہ دلیل جسے انھوں نے ذکر کیا ہے وہ مسئلہ پر منطبق نہیں ہوگی اور کلام ٹکراؤ اور کمزوری کی طرف مائل ہوجائے گا۔ سید قدس سرہٗ کا کلام سننے کے لائق ہے، فرماتے ہیں کہ پوتیوں کے برابر جب کوئی لڑکا ہو چاہے وہ اُن کا بھائی ہو یا ان کے چچا کا بیٹا ہو تو وہ انھیں عصبہ بنا دیتا ہے جیسا کہ صلبی بیٹا صلبی بیٹیوں کو عصبہ بنا دیتا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ میّت کے بیٹے کی اولاد میں سے جو مذکر ہو وہ میت کی صلبی اولاد

فی درجته اذا لم یکن للمیت ولد صلبی بالاتفاق فی استحقاق جمیع المال فکذا یعصبها فی استحقاق الباقی من الثلثین مع الصلبیتین والیه ذھب عامة الصحابة وعلیه جمھور العلماء وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه لایعصبھن بل الباقی کله لابن الابن ولا شیئ لبناته، اذ الانثی انما تصیر عصبة بالذکر اذا کانت ذات فرض عند الانفراد عنه کالبنات والاخوات واما اذا لم تکن کذالک فلا تصیر به عصبة کبنات الاخوة والاعمام مع بنیھم واجیب بان بنت الابن صاحبة فرض عند الانفراد عن ابن الابن لکنھا محجوبة بالصلبیتین ھٰھنا الا تری انھا تاخذ النصف عند عدم الصلبیات بخلاف بنات الاخ والعم اذ لا فرض لھا عند انفرادھا عن ابیھما فلا تصیر عصبة به[1]

نہ ہونے کی صورت میں اپنے درجے کی لڑکیوں کو تمام مال کے استحقاق میں بالاتفاق عصبہ بنا دیتا ہے اور یونہی دو صلبی بیٹیوں کی موجودگی میں دو تہائی سے بچ جانے والے مال کے استحقاق میں انھیں عصبہ بنا دیتا ہے۔ عام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اسی طرف گئے ہیں، اور جمہور علماء کا بھی یہی موقف ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ وہ پوتیوں کو عصبہ نہیں بناتا بلکہ باقی تمام مال پوتے کے لئے ہوگا پوتیوں کو کچھ نہیں ملیگا۔ کیونکہ مذکر کے ساتھ مل کر مؤنث اسی صورت میں عصبہ بنتی ہے جب وہ اس مذکر سے الگ ہوکر ذی فرض ہوتی ہو جیسے بیٹیاں اور بہنیں۔ اور اگر وہ اس طرح نہ ہو تو مذکر کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بنتی جیسے بھائیوں اور چچوں کی بیٹیاں اُن کے بیٹوں کے ساتھ۔ اور اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ پوتی پوتے سے الگ ہوکر ذی فرض ہوتی ہے لیکن یہاں پر وہ دو صلبی بیٹیوں کی وجہ سے محروم ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ صلبی بیٹیوں کی عدم موجودگی میں پوتی نصف مال لیتی ہے بخلاف بھائی اور چچا کی بیٹیوں کے کہ اُن کے لئے ان دونوں کے بیٹوں سے الگ ہوکر کوئی فرضی حصہ نہیں ہوتا لہذا بھائی اور چچا کی

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ فصل فی النساء مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۲ و ۲۳

17

این کلام از سرتاپا شاہد عدل است
کہ مراد بغلام ہمان ذکرے از اولاد
ابن ست کلام در ہمان ست و دلیل ہم
بران و خلاف ابن مسعود ہم دران
ورنہ ہیچکس قائل نیست کہ ابن ابن
الاخ حاجب بنات ابن است و
ہم در نفس سخن تصریح ست کہ ابن عم
مر بنت عم خودش را تعصیب نتوان
کرد۔ لاجرم مراد بہ تعمیم سواء
کان اخاہن اوابن
عمہن ہمیں قدر ست کہ
خواہ آں پسر پسر ہموں پسر باشد
کہ ایں دختر دختر اوست یا پسر پسر
دیگر کہ عم ایں دختر بود نہ از بنی الاعمام
ایں زنان باشد معصب ایشاں بود
اگرچہ از سلسلۂ جزئیت میت
بیرون بود ھذا مما لا یقول
بہ احد، بایں تقدیر
بحمد اللہ حکم مسئلہ نیز نقش بکرسی
نشست و ہم بوضوح پیوست
کہ کلام درمختار و شریفیہ صراحۃً
راغم زعم زاعم ست نہ آنکہ
بوفاقش حاکم ست بارے اگر
بایں ہمہ ہا متسلی نشوند تا تصریح
از عالم تنقیح لبشنوند، علامہ

بیٹیاں ان کے بیٹے کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں
بنیں گی۔ یہ کلام سر سے لے کر پاؤں تک عادل
گواہ ہے کہ غلام (لڑکے) سے مراد وہی مذکر
ہے جو میت کے بیٹے کی اولاد میں سے ہو، گفتگو
اُسی میں ہے، دلیل بھی اسی پر ہے اور ابن مسعود
رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اختلاف بھی اسی میں ہے،
ورنہ کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ بھائی
کا پوتا میّت کی پوتیوں کے لئے حاجب ہوتا
ہے، نیز نفسِ کلام میں تصریح موجود ہے کہ چچا
کا بیٹا اپنے چچا کی بیٹی کو عصبہ نہیں بنا سکتا تو
یقیناً اس تعمیم سے کہ چاہے وہ اُن پوتیوں کا
بھائی ہو یا ان کے چچا کا بیٹا، مراد اِسی قدر ہے
کہ خواہ وہ اسی بیٹے کے بیٹے کا بیٹا ہو جس کی
یہ بیٹی ہے یا کسی دوسرے بیٹے کا بیٹا ہو جو
اسی بیٹی کا چچا ہو۔ یہ مراد نہیں کہ اِن عورتوں
کے چچا کے بیٹے ان کو عصبہ بنانے والے
ہوتے ہیں اگرچہ وہ میّت کی جزء کے سلسلہ سے
باہر ہوں۔ یہ وہ بات ہے جس کا کوئی بھی قائل
نہیں۔ اس تقدیر پر اللہ تعالٰی کی حمد و ثنا کے
ساتھ مسئلہ کا حکم بھی کرسی پر منقش ہوگیا نیز
خوب وضاحت کے ساتھ واضح ہوگیا کہ درمختار
اور شریفیہ کا کلام گمان کرنے والے کے گمان
کے صراحۃً خلاف ہے نہ کی اس کی موافقت
کا حکم کرنے والا ہے۔ پھر اگر اس تمام کے
باوجود اُن کی تسلی نہ ہو حتی کہ وہ کسی عالم کی واضح

شامی قدس سرہ السامی در عقود الدریہ فرماید سئل فی امرأۃ ماتت عن بنتین وابن اخ شقیق وعن بنتی ابن و خلفت ترکۃ کیف تقسم الجواب للبنتین الثلثان والباقی لابن الاخ الشقیق وابن الاخ لایعصب اختہ ولامن ھی اعلی منہ او اسفل فضلا عن کونہ یعصب بنتی الابن ؎

ولیس ابن الاخ بالمعصب
من مثلہ اوفوقہ فی النسب

نعم ابن الابن یعصب بنت الابن اھ ملخصا
مسئلہ بکمال وضوحش از ایضاح بے نیاز بود ایں مایہ اطناب چہ شایست اما چہ تواں کرد کہ بعد عروض وہم ازالہ اش ناگزیر مے بایست ولما بلغنا الی الدلیل الخامس وقفنا علی زلۃ ھٰھنا صدرت من قلم العلامۃ حامد آفندی فاکد ذلک عن مناعلی الاکثار۔ لینجلی الحق انجلاء الاھلۃ اذا امیط عنھا کل غیم وعلۃ وبرتبنا

تصریح صاف طور پر سُن لیں ۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی عقود الدریہ میں فرماتے ہیں۔ اُس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو دو بیٹیاں، حقیقی بھائی کا ایک بیٹا اور دو پوتیاں چھوڑ کر فوت ہوئی اس نے کچھ ترکہ چھوڑا وہ کیسے تقسیم کیا جائے گا؟ جواب: بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا اور باقی حقیقی بھائی کے بیٹے کو ملے گا۔ بھائی کا بیٹا اپنی بہن کو عصبہ نہیں بناتا اور نہ ہی اپنے سے اوپر کے درجے والی کو یا نچلے درجے والی کو چہ جائیکہ وہ میت کی پوتیوں کو عصبہ بنائے۔ اور بھتیجا عصبہ بنانے والا نہیں ہے، نسب میں اپنی مثل کو اور نہ اپنے سے اوپر والی کو۔ ہاں پوتا پوتی کو عصبہ بناتا ہے اھ تلخیص۔ مسئلہ کامل طور پر واضح ہونے کی وجہ سے وضاحت کرنے سے مستغنی تھا۔ اس طویل بحث کی کیا ضرورت تھی، مگر کیا کیا جاسکتا ہے کہ وہم کے عارض ہونے کے بعد اس کا ازالہ ضرور ہونا چاہئے۔ جب ہم پانچویں دلیل تک پہنچے تو ہم اس لغزش پر آگاہ ہوئے جو یہاں پر علامہ حامد آفندی کے قلم سے سرزد ہوئی۔ تو اس نے ہمارے عزم کو مزید وضاحت کرنے پر مضبوط کیا تاکہ حق اس طرح ہو جائے جس طرح بادل اور گرد و غبار کے دُور کئے جانے کے بعد چاند روشن ہوتے ہیں۔

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۷

نخص الحمد کلہ والصلوۃ والسلام علیٰ صاحب الملۃ محمد و اٰلہ وصحبہ والجلۃ آمین ، واللہ سبحٰنہ و تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اور ہم اپنے رب کے لئے ہی تمام تعریفوں کو مختص کرتے ہیں ، درود وسلام ہو صاحبِ ملت پر جن کا نام نامی اسم گرامی محمد ہے اور آپ کی آل پر اور صحابہ پر اور سب پر ، آمین ! واللہ سبحٰنہ و تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

فصل ششم

مسئلہ ۹۸ از کلکتہ تال کمیدن باغ نمبر ۴۱ مسجد مانک دفتری مرسلہ محمد عبدالکریم صاحب ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

پس از پیشکشی قدمبوسی و ناصیہ فرسائی دست بستہ معروض میدارد کہ از روئے کرم فرمائی ومرحمت گستری دریں مسئلہ مرسلہ بہ تحقیق خود حکم فرمایند اگر حکم موافق مسطور دست دہد از روئے فیض رسانی بر جملہ جہاں بر قرطاس مرقوم ودستخط نمودہ فیض المرام بخشند مسئلہ اینست کہ چہ مے فرمایند علمائے دین رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ حق ارث بتقادم زمان ساقط شود یا نہ ؟ بیّنوا توجروا۔

قدموں کو چومنے اور ان پر پیشانی رکھنے کی پیشکش کے بعد دست بستہ گزارش ہے کہ کرم اور مہربانی فرماتے ہوئے اس ارسال کردہ مسئلہ میں اپنی تحقیق کے مطابق فیصلہ صادر فرمائیں اگر جناب والا کا فیصلہ اس تحریر کے موافق ہو تو تمام جہان پر فیض رسانی کی رُو سے تحریر کردہ کاغذ پر دستخط کرکے حاجت بر آری فرمائیں۔ مسئلہ یہ ہے ، کیا فرماتے ہیں اے علمائے دین اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس مسئلہ میں کہ زیادہ عرصہ گزر جانے سے میراث کا حق ساقط ہوجاتا ہے یا نہیں ؟ بیان کرو اجر دئے جاؤ گے۔ (ت)

الجواب : حق ارث بتقادم زمان ساقط نمی شود کما فی الدرالمختار ، لوامر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمس عشرۃ

الجواب : میراث کا حق زیادہ عرصہ گزر جانے سے ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ درمختار میں ہے ، اگر بادشاہ پندرہ سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد قاضی کو دعوٰی کی

سنة فسمعها لم ینفذ قلت فلا تسمع الاٰن بعدھا الا بامر الا فی الوقف والارث ووجود عذر شرعی وبه افتی المفتی ابوالسعود فلیحفظ[1] وفی ردالمحتار قال السید الحموی فی حاشیة الاشباہ ان السلاطین الاٰن یامرون قضاتھم فی جمیع ولایاتھم ان لایسمعوا دعوی بعد مضی خمس عشرة سنة سوی الوقف والارث اھ[2] وکما فی ردالمحتار عن الحامدیة انه کتب علی ثلثة اسئلة انه تسمع دعوی الارث ولا یمنعھا طول المدة[3] وفی ردالمحتار عن الاشباہ وغیرھا ان الحق لایسقط بتقادم الزمان اھ ولذا قال فی الاشباہ ایضا ویجب علیه سماعھا اھ ای یجب علی السلطان الذی نھی قضاته عن

سماعت نہ کرنے کا حکم دے ۔ پھر قاضی اس کی سماعت کرے تو وہ نافذ نہ ہوگا ۔ میں کہتا ہوں اب بادشاہ کی طرف سے ممانعت کے بعد اُس کے حکم کے بغیر سماعت نہیں کی جائے گی سوائے وقف، میراث اور کسی عذر شرعی کے پائے جانے کے مفتی ابوالسعود نے یہی فتوی دیا ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے ۔ ردالمحتار میں ہے سید حموی نے الاشباہ کے حاشیہ میں کہا کہ اب بادشاہ اپنی تمام ولایتوں میں پندرہ سال گزر جانے کے بعد وقف اور میراث کے علاوہ دعوی کی سماعت کرنے سے قاضیوں کو روک دیتے ہیں اھ جیسا کہ ردالمحتار میں حامدیہ سے منقول ہے، انھوں نے تین مسئلوں کے جواب میں لکھا کہ میراث کے دعوی کی سماعت کی جائے گی اور مدت کا دراز ہونا اس سے مانع نہیں ہوگا ۔ ردالمحتار میں اشباہ وغیرہ سے منقول ہے کہ زیادہ عرصہ گزر جانے کی وجہ سے حق ساقط نہیں ہوتا اھ ۔ اسی لئے اشباہ میں بھی کہا ہے کہ اس پر دعوی کی سماعت واجب ہے اھ یعنی جس بادشاہ نے پندرہ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اپنے

---

[1] الدرالمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱
[2] ردالمحتار 〃 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲
[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۴/ ۳۴۳

سماع الدعوی بعد ھذہ المدۃ ان یسمعھا بنفسہ او یامر بسماعھا کی لایضیع حق المدعی والظاھر ان ھذا حیث لم یظھر عن المدعی امارۃ التزویر[1] مخفی مباد کہ روایات فقہیہ کہ در باب عدمِ سماع دعوٰی بعد از مرور پانزدہ سال یاسی سال یاسی وسہ سال یاسی و شش سال وارد مخصوص بصورتے ست کہ دعوی متضمن بر علامت تزویر یا حیلہ باشد چنانچہ از عبارات ردالمحتار وغیرہ مفہوم می شود وھذا حکم الکتاب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

قاضیوں کو دعوٰی کی سماعت سے منع کیا ہے خود اس پر واجب ہے کہ وہ بذاتِ خود دعوٰی کی سماعت کرے یا اس کی سماعت کا حکم دے تاکہ مدعی کا حق ضائع نہ ہو۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ حکم اُس صورت میں ہے جب مدعی کی طرف سے دھوکہ بازی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو۔ پوشیدہ نہ رہے کہ پندرہ ۱۵ سال، تیس ۳۰ سال، تینتیس ۳۳ سال یا چھتیس ۳۶ سال گزرنے کے بعد دعوٰی کی سماعت نہ کرنے سے متعلق فقہی روایات اس صورت کے ساتھ مخصوص ہیں کہ دعوی دھوکہ دہی اور حیلہ سازی کی علامات کو متضمن ہو جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتاب کا حکم ہے، اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر آنا ہے (ت)

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب این جا دو مقام ست یکے نفس الامر وابانت حکمش ہمان ست کہ ہیچ حق ثابت نامقید بوقتے خاص ارث باشد خواہ غیر او مطلقاً اجماعاً بتقادم زمان زنہار ساقط نشود چنانکہ در جوھرہ واشباہ وغیرہما

اے اللہ حق اور درستگی کی ہدایت عطا فرما، اس جگہ دو۲ مقام ہیں، مقام اول نفس الامر، اس کے حکم کی وضاحت یہ ہے کہ کوئی ثابت حق جو کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہ ہو چاہے میراث ہو یا کوئی اور مطلقاً بالاتفاق زیادہ عرصہ کے گزرنے سے ہرگز ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ جوھرہ اور اشباہ

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۴۳

منصوص شد وخود در ثبوت او آیات و
احادیث وعقیدۂ اجماعیہ مجازات
یوم الدین بر مظالم وتبعات بندہ است
اگر عند اللہ بمرور دُہور حق ساقط
شدے روز جزا جریان مجازات
ومطالبۂ تبعات ومبادلۂ حسنات
ووضع سیأت بمیان نیامدے
کہ بندہ را بر بندہ حقے نماندہ
گو از روئے تعدی حدود الٰہیہ
ظالم مطالب بحقوق الٰہیہ باشد
ھذا باطل اجماعاً
بلکہ عند اللہ ہر چند ظالم بر ظلم
متمادی رود ظالم تر شود نہ آنکہ
تمادی ایام ظلم برخیزد و
حق بناحق آمیزد۔

دوم سماع دعوٰی بدار القضاء۔
اینجا نیز نفس مرور زمان فی حدود
ذاتہ اصلاً جمع باثبات منع نیرزد
نہ در ارث و نہ در غیر آں کائناً
ماکان بلکہ منع از دو جہت خیزد
یکے سد باب تزویر وقطع اطماع
فاسدہ ایں حکم حکم اجتہادی
فقہائے کرام وائمہ اعلام ست
ومتون وشروح وفتاوائے
بد مذہب باو ناطق وارث وغیر ارث

وغیرہ میں منصوص ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے خود
قرآنی آیات، احادیث اور یہ اجماعی عقیدہ
کافی ہے کہ قیامت کے دن حقوق العباد سے
متعلق ظلم اور زیادتیوں کا بدلہ دلوایا جائے گا،
اگر مدتوں کے گزرنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک
حق ساقط ہو جاتا تو قیامت کے دن بدلہ دلوانے
اور حقوق العباد کے مطالبے نیکیوں کے بدلے اور گناہوں کے
مٹانے کا قانون جاری نہ ہوتا کیونکہ کسی بندے کا دوسرے پر کوئی
حق نہ رہتا اگرچہ حدود الٰہیہ میں تعدی کرنے
سے حقوق اللہ کے بارے میں ظالم سے
مؤاخذہ ہوتا اور یہ بھی بالاتفاق باطل ہے،
بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظالم جتنا عرصہ ظلم پر
قائم رہتا ہے زیادہ ظالم ہوتا جاتا ہے،
ایسا نہیں ہے کہ زیادہ دنوں کا گزرنا ظلم کو
اٹھا دے اور حق کو ناحق کے ساتھ ملا دے۔

مقام دوم قاضی کی کچہری میں دعوٰی کی
سماعت۔ اس میں بھی محض زیادہ زمانے کا
گزرنا اپنی ذات کے اعتبار سے بالکل اس
لائق نہیں کہ سماع دعوٰی کی ممانعت کا باعث
بنے، چاہے میراث کا دعوٰی ہو یا اس کے
علاوہ کسی بھی شئے کا۔ بلکہ ممانعت دو وجہوں
سے پیدا ہوتی ہے، وجہ اول دھوکہ دہی
کا دروازہ بند کرنا اور فاسد لالچوں کا خاتمہ
کرنا۔ یہ حکم فقہائے کرام اور مشہور ائمہ عظام
کا اجتہادی حکم ہے۔ جیسا کہ مذہب کے

همہ درو یکساں و متوافق وعند التحقیق متقید
نیست بہیچ مدتے ممدود و عدتے معدود
صورتش آنست کہ مثلاً زید را دارے ست
کہ شراءً یا ارثاً یا بہیچ وجہ از وجوہ
تملک نزد اوست و او زمانے درو تصرفات
مالکانہ مے کرد و عمرو عاقل و بالغ
ہمدراں شہر ساکن و برآں تصرفات
آگاہ بود و موانع ادعاء دعوے
یکسر مفقود حالا خود او یا وارث او
برمی خیزد و نزاع مے انگیزد
و گردن دعوی برمی فرازد کہ ایں خانہ
(خانۂ) ازاں منست زنہار نشنوند
گو دعوی از جہت ارث باشد زیرا
کہ سکوت تا مدتے صالحہ با وصف
انعدام موانع و وجود مقتضٰی اعنی اطلاع
برتصرفات مالکانۂ زید قرینۂ واضحہ
است برانکہ دار دار زید ست و دعوی
عمرو از راہ کید لاجرم آں سکوت
را در رنگ اقرار او بملک زید
فرا گرفتہ مانع دعوی دانند آنچنانکہ
اگر صراحۃً مقر شدے کہ دار ازاں
زید ست و باز بے توفیق معقول و قابل
قبول بدعوی برخاستے تناقض گریبانش
گرفتے و دعوی پیش نرفتے کذا
ھذا و پیدا ست کہ درایں باب

متون، شروح اور فتاوے اس پر شاہد ہیں۔ میراث
اور غیر میراث اس حکم میں برابر ہیں۔ تحقیق کی رُو سے
یہ حکم کسی لمبی مدت اور خاص عرصے کے ساتھ مقید و
مشروط نہیں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زید
کا ایک گھر ہے جو اس نے خریدا یا میراث میں
پایا یا ملکیت کی وجوہ میں سے کسی اور وجہ سے
اس کے پاس ہے، وہ اس میں ایک عرصے
تک مالکانہ تصرفات کرتا رہا۔ عمرو جو کہ عاقل و
بالغ اور اُسی شہر میں رہائش پذیر تھا زید کے
تصرفات پر آگاہ تھا۔ دعوی کرنے میں کوئی رکاوٹ
بالکل موجود نہ تھی (اس کے باوجود وہ چپ
رہا) اب عمرو خود یا اس کا کوئی وارث اُٹھ کر
جھگڑا پیدا کرتا ہے اور گردنِ دعوی بلند کرتے
ہوئے کہتا ہے کہ یہ گھر میرا ہے تو یہ دعوی ہرگز
قابلِ سماعت نہیں اگرچہ میراث کی جہت سے
دعوی ہو اس لئے کہ دعوی کی صلاحیت رکھنے
والی مدت میں چپ رہنا جبکہ دعوی میں کوئی
رکاوٹ موجود نہ تھی اور دعوی کا مقتضٰی بھی
موجود تھا یعنی زید کے مالکانہ تصرفات سے
آگاہی، یہ واضح قرینہ ہے کہ گھر زید کا ہے اور
عمرو کا دعوی بطور مکر ہے۔ یقیناً اسکی خاموشی
کو زید کی ملکیت کا اقرار قرار دیتے ہوئے
مشائخ کرام دعوی سے مانع سمجھتے ہیں، جس
طرح کہ اگر وہ صراحۃً اقرار کرتا کہ یہ گھر زید کا ہے
پھر کسی معقول اور قابلِ قبول توجیہ کے بغیر اس

ادعائے ارث وغیر ارث ہمہ یکسان ست اللّٰھم مگر آنجا کہ زید معترف باشد بآنکہ دار ملکِ مورث عمرو بودہ است ومن ازو شراءً یا ہبۃً گرفتہ ام آنگاہ امر دعوٰی باژگونہ گردد زید مدعی شود وعمرو مدعا علیہ وتصرفات زید تا زمانے مدید سودش نکند کہ دعوٰی را بینہ باید نہ مجرد تصرفات ۔ کما لا یخفی علی اھل التصرف ۔ **دوم** نہی سلطانِ اسلام ، این ست آنچہ در ارث وغیر ارث متخالف شود وکار بر تحدیدِ مدت از پیشگاہِ سلطنت قرار گیرد بے نظر بعدم تصرف و اطلاع مدعی وعدم موانع وظہور تزویر وغیر ذلک ، سر این کار آنست کہ ولایت قضاۃ مستفاد از جہت سلطان و قضا بزمان ومکان واشخاص واشیاء ہر چہ سلطان مولّی بآں تخصیص فرماید تخصیص پزیرد پس اگر سلطانِ اسلام اعز اللہ نصرہ قضاۃ خود را بعد مدتے معیّنہ مثلاً پانزدہ سال یا ماہ یا فرضا دو سہ روز از سماع دعوی نہی کند قاضیان بعد آں زمان در حق آں دعاوی معزول باشند سماع نا مقبول دریں اختلاف استثنائے

گھر پر دعوٰی کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا تو ٹکراؤ اس کا گریبان پکڑ لیتا اور اس کے دعوٰی میں پیشرفت نہ ہوتی اور یہ بھی ایسے ہی ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس باب میں میراث اور غیر میراث کا دعوٰی سب برابر ہیں ۔ اے اللہ ! مگر اُس صورت میں کہ زید اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ یہ گھر عمرو کے مورِث کی ملکیت میں تھا میں نے اس سے خرید لیا یا بطور ہبہ حاصل کیا ہے تو اس وقت دعوٰی کا معاملہ الٹ ہو جائے گا کہ زید مدعی اور عمرو مدعا علیہ بن جائے گا ، اور عرصہ دراز تک زید کا اس میں تصرفات کرنا اس کو فائدہ نہیں دے گا ۔ کیونکہ دعوٰی کیلئے گواہ درکار ہیں نہ کہ محض تصرفات ۔ جیسا کہ اہل تصرف پر پوشیدہ نہیں ہے ۔

وجہ دوم بادشاہِ اسلام کا منع کرنا ۔ یہ ہے وہ صورت جس میں میراث اور غیر میراث مختلف ہوتے ہیں ۔ اس میں کارروائی مدت کی حد بندی پر سلطنت کی طرف سے قرار پاتی ہے ۔ اس میں تصرف کا صادر ہونا ، مدعی کا آگاہ ہونا ، رکاوٹوں کا موجود نہ ہونا اور دھوکہ دہی کا ظاہر ہونا وغیرہ امور ملحوظ نہیں ہوتے ۔ اس کارروائی کا راز یہ ہے کہ قاضیوں کی ولایت بادشاہ کی طرف سے حاصل شدہ ہے اور قضاء زمانے ، مکان ، اشخاص اور دیگر جن اشیاء کے ساتھ بادشاہ خاص کر دے

وقف وارث و مالِ یتیم و غائب و غیر ذلک ہمہ یا بعض یا مطلقاً عدمِ استثنا راز ہمیں جہت داشتہ است سلطان ہر زمان آنکہ مطلق داشت علماء مطلق گزاشتند و آنکہ استثنا کرد استثناء فرمودند کہ اینجا کار بر زبان شہریار ست و بس ازیں بیان بوضوح پیوست کہ دریں وادی نیز ارث و غیر او ہمہ متساوی الاقدام ست تا آنکہ اگر سلطانے قضاۃ خود را بعد یک سال مثلاً خاص از سماع دعوی ارث منع فرماید بالخصوص ہمیں دعوی ارث نامسموع باشد و غیر او مسموع والعکس بالعکس این ست دریں مقام تحقیق انیق و باللہ التوفیق سخن دریں باب در کتاب القضاء والدعاوی از فتاوٰی خودم قدرے دراز راندہ ام اینجا بر تلخیص عبارا تے چند قناعت ورزیدن بر از راہ اسہاب و اطناب گزیدن در فتاوٰی علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبید اللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار ست سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ تزید علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل المذکور یتصرف فی البیت المذبور بناء وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذا ادعی البیت بعد

خاص ہو جاتی ہے، لہذا اگر بادشاہِ اسلام اللہ تعالٰی اس کی نصرت کو غالب کرے اپنے قاضیوں کو ایک خاص مدّت جیسے پندرہ سال یا پندرہ مہینے یا بالفرض دو تین دن کے بعد دعوی کی سماعت سے منع کر دے تو قاضی صاحبان اس مدت کے بعد ان دعووں کے حق میں معزول ہو جاتے ہیں اور ان کی طرف سے دعوٰی کی سماعت نامقبول ہوتی ہے اس مسئلہ میں میراث، وقف، مالِ یتیم اور مالِ غائب وغیرہ میں کُل یا بعض کے استثناء یا مطلقاً عدمِ استثناء کا اختلاف اسی وجہ سے ہے کہ ہر دَور کے بادشاہ نے جس کو مطلق رکھا علماء نے بھی اس کو مطلق رکھا اور بادشاہ نے جسے مستثنٰی کر دیا علماء نے بھی اسے مستثنٰی کر دیا کیونکہ یہاں کارروائی فقط بادشاہ کی زبان پر ہے۔ اس بیان سے خوب وضاحت ہوگئی کہ اس وادی میں میراث اور غیر میراث برابر ہیں یہاں تک کہ اگر بادشاہ مثال کے طور پر ایک سال کے بعد اپنے قاضیوں کو خاص دعوٰی میراث کی سماعت سے منع کر دے تو خاص اُسی دعوٰی میراث کی ممانعت ہوگی اس کے علاوہ دیگر دعووں کی

ما ذکر تسمع دعواہ ام لا۔ اجاب لا تسمع دعواہ علی ما علیہ الفتوٰی[1]۔

در فتاوی علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحبِ درمختار است سئل فی رجل اشتری من اخر ستۃ اذرع من ارض بین البائع وبنی بہا بناء وتصرف فیہ ثم بعدہ ادعی رجل علی البائع المذکور ان لہ ثلثۃ قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امہ والحال ان امہ تنظر یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل لہ ذلک ام لا۔ اجاب لا تسمع دعواہ لان علمائنا نصوا فی متونہم وشروحہم وفتاواھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولو کان اجنبیا بنحو البناء والغرس والذرع یمنعہ من

سماعت ہوسکے گی اور اگر بادشاہ اس کے برعکس حکم دے تو مسئلہ کی صورت بھی برعکس ہوجائے گی۔ اس مقام پر یہ نفیس تحقیق ہے اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس مسئلے سے متعلق میں نے اپنے فتاوٰی کی کتاب القضاء اور کتاب الدعاوی میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اور یہاں پر بطور خلاصہ چند عبارتوں پر قناعت اختیار کرنا طوالت کا راستہ اپنانے سے بہتر ہے۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبیداللہ غزی تمرتاشی مصنفِ تنویر الابصار کے فتاوٰی میں ہے کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے پاس کسی گھر کا ایک کمرہ ہے جس میں رہتے ہوئے اس کو تین سال سے زائد عرصہ ہوچکا ہے۔ اس گھر کی ایک جانب شخص مذکور کا ایک پڑوسی رہتا ہے اور شخصِ مذکور اس کمرے میں جس کا ذکر گزر چکا ہے عمارت و تعمیر وغیرہ کا تصرف تین سالہ مدت میں کرتا رہا جس پر اس کا پڑوسی آگاہ تھا۔ کیا مدت مذکورہ کے بعد اگر وہ پڑوسی اس کمرے پر دعوٰی کرے تو اس کا دعوٰی سنا جائے گا یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا مفتٰی بہ قول کے مطابق اس کا دعوٰی نہیں سنا جائے گا۔ صاحبِ درمختار کے استاد علامہ خیر الدین رملی کے

---

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوی الامام الغزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

سماع الدعوى. قال صاحب المنظومة اتفق اساتيذنا على انه لا تسمع دعواه ويجعل سكوته رضا للبيع قطعا للتزوير والاطماع والحيل والتلبيس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرارا بانه ملك البائع[1].

ہمدران ست سئل فيما اذا ادعى زيد على عمرو محدودا انه ملكه ورثه عن والده فاجابه المدعى عليه انى اشتريته من والدك وعمك وانى ذو يد عليه مدة تزيد على اربعين سنة وانت مقيم معى فى بلدة ساكت من غير عذر يمنعك عن الدعوى هل يكون ذلك

فتاوٰی میں ہے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے بائع کے زیر قبضہ زمین میں سے چھ ہاتھ زمین خرید کر اس کو تعمیر کیا اور اس میں تصرف کیا، پھر بعد ازاں ایک شخص نے تعمیر کرنے والے شخص مذکور پر دعوٰی کردیا کہ اس فروخت شدہ زمین میں ساڑھے تین قیراط میرے ہیں جو مجھے ماں کی میراث سے ملے ہیں، حالانکہ اس کی ماں عمارت بنانے اور انتفاعِ مذکور کے تصرف کو دیکھتی رہی۔ کیا اس کو ایسا کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا اس کا دعوٰی نہیں سنا جائے گا کیونکہ ہمارے علماء نے اپنے متون، شروح اور فتاوٰی میں نص فرمائی ہے کہ خصم کے مطلع ہوتے ہوئے مبیع میں مشتری کا تصرف اگرچہ وہ اجنبی ہو جیسے عمارت بنانا، درخت لگانا اور کھیتی باڑی کرنا اس کے دعوٰی کی سماعت سے مانع ہوتا ہے۔ صاحبِ منظومہ نے کہا ہمارے اساتذہ اس پر متفق ہیں کہ اس کا دعوٰی نہیں سنا جائیگا اور دھوکہ دہی، لالچ، حیلے اور فریب کے خاتمہ کے لئے اس کی خاموشی کو بیع کے ساتھ رضامندی قرار دیا جائے گا۔ اس کی بوقتِ بیع وہاں موجودگی اور منازعت کے ترک کرنے کو

---

[1] الفتاوى الخيرية كتاب الدعوى دار المعرفة بيروت ۲/ ۸۷ و ۸۸

من باب الاقرار بالتلقی من مورثیه احاب نعم دعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علیه الی بیّنة وصار المدعی علیه مدعیا وکل مدع یحتاج الی بیّنة ینور بها دعواه ولاینفعه وضع الید المدة المذکورة مع الاقرار المذکور ولیس من باب ترك الدعوی بل من باب المؤاخذة بالاقرار ومن اقر بشئ لغیرہ اخذ باقرارہ ولو کان فی یدہ احقابا کثیرة لاتعد وھذا مما لا یتوقف فیه[1]۔

اس بات کا اقرار قرار دیا جائے گا کہ وہ بائع کی ملک ہے۔ اسی میں ہے اس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا جب زید نے عمرو پر ایک احاطہ سے متعلق دعوی کیا کہ یہ اس کا ہے جو اسے اپنے والد سے بطور میراث ملا ہے۔ مدعی علیہ (عمرو) نے جواب دیا کہ میں نے یہ احاطہ تمہارے والد اور چچا سے خریدا تھا اور چالیس سال سے زائد عرصہ ہوا کہ میں اس پر قابض ہوں جبکہ تم میرے ساتھ اسی شہر میں رہائش پذیر ہونے کے باوجود اب تک دعوی سے خاموش رہے ہو حالانکہ کوئی عذر موجود نہ تھا جو تجھے دعوی سے روکتا۔ کیا یہ عمرو کی طرف سے اس احاطہ کو زید کے مورثوں (باپ اور چچے) سے حاصل کرنے کا اقرار ہوگا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں مورث سے ملک حاصل کرنے کا دعوی، مورث کی ملکیت کا اقرار اور اس سے مقر کی طرف ملکیت کے منتقل ہونے کا دعوی ہے۔ چنانچہ مدعی علیہ گواہ پیش کرنے کا محتاج ہوگا۔ اس صورت میں مدعی علیہ مدعی بن جائیگا۔ اور ہر مدعی ایسے گواہ پیش کرنے کا محتاج ہوتا ہے جس سے اس کا دعوی ثابت ہو۔ مذکورہ بالا اقرار کے ہوتے ہوئے مدت مذکورہ تک عمرو کا قابض رہنا اس کو کچھ نفع نہ دے گا۔ یہ ترکِ دعوی کے باب سے نہیں بلکہ اقرار کی وجہ سے مواخذہ کے باب سے ہے۔ جو شخص دوسرے کے لئے کسی شئے کے بارے میں اقرار کرلے

---

[1] فتاوی الخیریۃ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۸۰ و ۸۱

تو وہ اپنے اقرار کے سبب سے پکڑا جائے گا اگرچہ وہ شئی سالہا سال سے اس کے قبضہ میں ہو۔ اس مسئلہ میں توقف نہیں کیا جائے گا۔ (ت)

درعقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ

سئل رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اٰخر رأی الارض والتصرف ولم یدع ومات علٰی ذٰلک لم تسمع بعد ذٰلک دعوی ولدہ[1] اھ ولم یقیدوہ بمدۃ کما تری لان ما یمنع صحۃ دعوی المورث یمنع صحۃ دعوی الوارث ثم البیع غیر قید بل مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی ولیس مبنیا علی المنع السلطانی بل ھو حکم اجتہادی نص علیہ الفقہاء[2] کما رأیت ملتقطا

ثم رأیت سئل فی رجل یرید الدعوی علی زید بمیراث امہ المتوفاۃ من اکثر من خمس عشرۃ سنۃ وزید یجحد ومضت ھذہ المدۃ من بلوغہ

عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ ایک شخص نے کچھ عرصہ تک ایک زمین میں تصرف کیا اور ایک دوسرا شخص اس کو زمین میں تصرف کرتے ہوئے دیکھتا رہا اور دعوٰی نہیں کیا اور اسی حالت میں وہ فوت ہوگیا تو اب اس کی اولاد کا دعوٰی نہیں سنا جائے گا اھ مشائخ نے اس حکم کو کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں کیا جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ اور جو شئی مورث کے دعوٰی کی صحت سے مانع ہو وہ وارث کے دعوٰی کی صحت سے بھی مانع ہوتی ہے۔ پھر بیع کی کوئی قید نہیں بلکہ محض تصرف پر مطلع ہونا دعوی سے مانع ہے اور یہ حکم بادشاہ کی طرف سے ممانعت پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ اجتہادی حکم ہے جس پر فقہائے نے نص فرمائی ہے جیسا کہ میں نے دیکھا ہے ملتقطا۔ اسی میں ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو زید پر اپنی ماں کی میراث کا دعوٰی کرنا چاہتا ہے جس کو فوت ہوئے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گزرچکا ہے جبکہ زید اس سے انکار کرتا ہے۔ یہ عرصہ اس شخص کے عاقل بالغ ہونے کے

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳

[2] " " " " " ۲/ ۴

رشید او لم یدع بذلك ولا منعه
مانع شرعی وهما مقیمان
فی بلدة واحدة فهل تکون
دعواه بذلك غیر مسموعة للمنع
السلطانی - الجواب نعم
والقضاء یجوز تخصیصه وتقییده
بالزمان والمکان واستثناء
بعض الخصومات کما فی
الخلاصة، اشباه، وفیها
الحق لا یسقط بتقادم الزمان
کذا فی الجوهرة قال الحموی
السلاطین الآن یامرون قضاتهم
ان لا یسمعوا دعوی بعد مضی
خمس عشرة سنة سوی الوقف
والارث، ومقتضی ما افتی به
الخیر الرملی ان الارث
غیر مستثنی، وقد کتب احمد
آفندی المهمنداری علی ثلثة
اسئلة بانه تسمع دعوی الارث
ولا یمنعها طول المدة وکتب
علی سؤال اٰخر انها لا تسمع وصرح العلائی
قبیل باب التحکیم باستثناء الوقف
والارث، ونقل المنلا علی عن فتاوی علی
آفندی مفتی الروم عدم سماعها، ونقل
مثله السائحانی عن فتاوی عبد اللّٰہ

بعد گزرا ہے اور اس نے دعویٰ نہیں کیا حالانکہ
کسی شرعی مانع نے اس کو دعویٰ سے نہیں
روکا اور وہ دونوں ایک ہی شہر میں رہائش پذیر
ہیں - کیا بادشاہ کی طرف سے ممانعت کی
وجہ سے اس کا یہ دعویٰ نہیں سُنا جائیگا ؟
جواب : ہاں ، اور قضاء کو کسی خاص
زمان و مکان کے ساتھ مختص اور مقید کرنا
اور بعض تنازعات کو اس سے مستثنیٰ کر دینا
جائز ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے (اشباہ)۔
اسی میں ہے کہ زیادہ زمانہ کے گزرنے سے
حق ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔
امام حموی نے کہا کہ اب بادشاہ اپنے قاضیوں
کو حکم دیتے ہیں کہ وہ پندرہ سال کا عرصہ گزر
جانے کے بعد کسی دعویٰ کی سماعت نہ کریں سوائے
میراث اور وقف کے ' اور خیر الدین رملی کے فتوے
کا تقاضا یہ ہے کہ میراث مستثنیٰ نہیں ہے۔ احمد
آفندی مہمنداری نے تین سوالوں پر لکھا کہ میراث کے
دعویٰ کی سماعت کیجائیگی اور طوالت مدت اسے مانع نہ ہوگی جبکہ ایک
اور سوال پر تحریر فرمایا کہ میراث کے دعوے کی
سماعت نہیں کی جائے گی - علائی نے باب
التحکیم سے تھوڑا سا پہلے وقف اور میراث
کے مستثنیٰ ہونے کی تصریح فرمائی ہے منلا علی
نے مفتی روم علی آفندی کے فتاویٰ سے
اس کا قابل سماعت نہ ہونا نقل کیا ہے۔
اسی کی مثل سائحانی نے عبد اللّٰہ آفندی کے

آفندی فقد اضطرب کلامھم کماتری فی مسألۃ الارث والظاھر انہ تارۃ ورد امرمع استثنائھا وتارۃ بدونہ اھ ملخصًا۔

فتاوٰی سے نقل کیا ہے، ان کے کلام میں جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے میراث کے بارے میں اضطراب پایا گیا ہے بظاہر کبھی تو اس کے استثناء کے ساتھ امر وارد ہوا اور کبھی بغیر استثناء کے۔ اھ ملخصاً (ت)

وفی ردالمحتار است لیس لھذا (یعنی منع الدعوی للسکوت مع الاطلاع علی التصرفات) مدۃ محدودۃ واما عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرۃ سنۃ اذا ترکت بلاعذر فذاك فی غیر ھٰذہ الصورۃ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے کہ اس کے لئے (یعنی تصرفات پر مطلع ہو کر چپ رہنے کی وجہ سے دعوٰی کی ممانعت کے لئے) کوئی مدت متعین نہیں ہے۔ رہا پندرہ سال کے گزرجانے کے بعد دعوٰی کی سماعت نہ ہونے کا معاملہ جبکہ بغیر عذر کے اس کو چھوڑا ہو تو وہ اس صورت کے علاوہ میں ہے۔ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)